قرآن اور سائنسی دریافتیں

کائناتی دریافتوں میں قرآن وسائنس میں ہم آہنگی
فروغِ اسلام کا باعث بنی ہے



ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم:۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

کچھ مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک، اسلامی تحقیقی فاؤنڈیشن (آئی آر ایف) کے صدر اور مختلف مذاہب عالم پر عبور رکھنے والے داعی ہیں۔انہیں بین الاقوامی سطح پر اسلام اور ادیانِ عالم کے تقابلی جائزے کے ماہر اور ایک بہت اچھے مقرر کے طور پر بڑی شہرت ملی ہے۔ اسلامی تحقیقی فاؤنڈیشن کے چلانے میں وہ مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔وہ اسلام کی تفہیم اور مختلف اعتراضات کے جوابات اس طرح دیتے ہیں کہ غیر مسلم بھی عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اسلام کے بارے میں بہت سے اعتراضات اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ آپ پیشے کے لحاظ سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں لیکن دنیا بھر کے کروڑوں انسانوں میں اسلام کی سچائی پھیلانے میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نے صرف 36 برس کی عمر میں اسلامی تعلیمات کی خوبصورت اور دلنشین تشریح کے ساتھ ساتھ قرآن کی روشنی میں ان غلط فہمیوں کو دور کیا ہے جن کا غیر مذاہب میں بڑا چرچا تھا۔وہ اس کام کے دوران قرآن کے ساتھ ساتھ مستند احادیث، دلائل و منطق اور سائنس سے بھی مدد لیتے ہیں۔اللہ نے آپ کو ایسا حافظہ دیا ہے کہ آپ اپنی تحریروں اور تقاریر میں قرآنی حوالوں کے علاوہ دیگر آسمانی صحیفوں کے حوالے بھی صحیح صحیح دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے ان کے خالق نے اُن کے دماغ میں کمپیوٹر نصب کر دیا ہے۔

آپ تنقیدی جائزوں کے لیے بہت مشہور ہیں۔سامعین بالخصوص شک پرستوں کی

طرف سے اُٹھنے والے سوالات جن میں کئی چیلنج چھپے ہوتے ہیں، ڈاکٹر ذاکر کو پریشان نہیں کرتے۔ وہ اپنی تقریر کے بعد سوالات و جوابات کے وقفے میں ان سوالات کے جوابات بلا جھجک دیتے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے گزشتہ 6 برسوں میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، جنوبی افریقا، ماریشس، آسٹریلیا، ملائشیاء، سنگاپور، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، گیانا (جنوبی امریکا) اور دیگر کئی ممالک میں 600 سے زیادہ لیکچر دیئے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے لیکچر ہیں جو آپ نے بھارت کے مختلف شہروں میں دیئے۔ آپ کے یہ لیکچرز وڈیو اور آڈیو کیسٹوں میں دستیاب ہیں۔ انہیں مختلف مذاہب کے مشہور مشنریوں کی طرف سے مباحثوں اور مناظروں کی دعوت اکثر ملتی رہی ہے جس میں انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مناظرہ شکاگو (امریکا) میں یکم اپریل 2000ء کو ہوا۔ اس میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مدمقابل امریکی میڈیکل ڈاکٹر اور مشنری ڈاکٹر ولیم کیمبل تھے، موضوع تھا ''بائبل اور قرآن...... سائنس کی روشنی میں۔'' اس مناظرے میں ڈاکٹر ولیم کیمبل لاجواب ہو گئے تھے۔

شیخ احمد دیدات دنیا بھر میں اسلام کے مبلّغ اور ادیان کے تقابلی مطالعے کے حوالے سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو 1994ء میں ''دیدات پلس'' کا خطاب دیا اور مئی 2000ء میں ڈاکٹر ذاکر کو دعوہ اسلامی اور ادیان عالم کے تقابلی مطالعے کے میدان میں نمایاں کامیابی پر شیلڈ پیش کی۔ اس شیلڈ پر یہ عبارت کندہ تھی:

''میرے بیٹے! آپ نے جو کچھ چار برس میں کر دکھایا ہے اسے مکمل کرنے میں مجھے چالیس برس لگے تھے۔ الحمدللہ۔''

ڈاکٹر ذاکر نائیک دنیا کے 100 سے زائد ممالک کے ٹی وی اور سٹیلائٹ چینلوں پر باقاعدگی سے آتے ہیں۔ آپ کو ٹی وی اور ریڈیو پر انٹرویو کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ آپ نے اسلام اور تقابلِ ادیان پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کے تراجم بشمول اردو دنیا کی دیگر

زبانوں میں بھی ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک 18 اکتوبر 1965ء کو بھارت کے مشہور شہر ممبئی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک سینٹ پیٹر ہائی سکول ممبئی میں پڑھا۔ پھر کشن چند چیلا رام کالج ممبئی سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ممبئی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے بہت سے دعوۃ تربیتی پروگراموں کا اہتمام کیا جس میں وہ بین الاقوامی دعوۃ تربیتی پروگرام بھی شامل ہے۔ جس میں مسلمانوں کو تربیت دی جاتی ہے تا کہ وہ اسلام کا پیغام مؤثر طور پر دوسروں تک پہنچا سکیں۔

آپ کی دلچسپی کے میدانوں میں تقابل ادیان کا مطالعہ، طب، سماجی، اخلاقی، تعلیمی اور اقتصادی بہبود کی سرگرمیاں شامل ہیں۔

انگریزی میں شائع ہونے والی آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

1. Replies to the most common questions asked by non-muslims.

''غیر مسلموں کی طرف سے پوچھے گئے زیادہ تر سوالات کے جوابات''

2. Quran + Modern Science.

''قرآن اور جدید سائنس''

3. Concept of God in Major Religions.

''دنیا کے بڑے مذاہب میں خدا کا تصور''

4. Women's rights in Islam.

''اسلام میں حقوقِ نسواں (انہیں یہ حقوق حاصل ہیں یا وہ محکوم ہیں)''

5. Al-Quran------ Should it be read with understanding?

''قرآن...... کیا اسے سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟''

6. Is the Quran God's word?

''کیا قرآن آسمانی صحیفہ ہے؟''

ڈاکٹر ذاکر نائیک کی جو کتابیں اب تک اردو میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہیں، ان میں سے چند ایک کتابیں ناموں کے فرق کے ساتھ ایک سے زائد پبلشروں نے شائع کی ہیں۔

ان مطبوعہ کتب کی فہرست یہ ہے:

1۔ بائبل اور قرآن (جدید سائنس کی روشنی میں)

2۔ گوشت خوری...... جائز یا ناجائز

3۔ حقیقتِ قرآن...... ایک جدید سائنسی جائزہ

4۔ اسلام اور ہندومت (تقابلی مطالعہ)

5۔ اسلام میں حقوقِ نسواں

6۔ کیا قرآن کلمۂ خداوندی ہے؟ (اسلام...... ایک تعارف)

7۔ خدا کا تصور مذاہب عالم میں

8۔ مجھے ہے حکم اذان

9۔ مختلف مذاہب میں تصورِ خدا

10۔ قرآن اور سائنس

11۔ قرآن پاک اور جدید سائنس

تعارف

جب سے انسان نے اس کرۂ زمین پر قدم رکھا، وہ ہمیشہ سے فطرت کو سمجھنے، اس کے اسرار و رموز جاننے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اسے یہ تجسّس بھی رہا کہ تخلیق کائنات میں اس کا مقام کیا ہے اور اس کا مقصد حیات کیا ہے۔ اس سچائی کی تلاش میں اسے کئی صدیاں لگ گئیں۔ زمانے نے مختلف تہذیبیں پنپتی اور کمال تک پہنچ کر روبہ زوال ہوتی دیکھیں۔ پھر مذہب نے انسانی زندگی کو مشکل کیا اور کافی حد تک تاریخ کے دھارے کا تعین کر دیا ہے چند مذاہب ایسے ہیں جن میں تحریری شکل میں آسمانی کتابیں موجود ہیں۔ ان مذاہب کے ماننے والوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا، دیگر مذاہب کے لوگوں نے مکمل طور پر انسانی تجربے پر انحصار کیا۔

قرآن حکیم اسلامی عقیدے کا سب سے بڑا مآخذ ہے اس کے ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کو مکمل طور پر ربانی تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ کتاب پوری انسانیت کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی اور یہ کسی مخصوص زمانے یا عہد کے لئے نہ تھی بلکہ سارے زمانوں کے لئے تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب تھی جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ قرآن ہر عہد، ہر صدی کے لوگوں کے لیے ہے۔ یہاں سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن آخری الہامی کتاب کے طور پر اس ٹیسٹ میں پاس ہو جاتی ہے؟ میں اس کتاب میں مسلمانوں کے اس عقیدے کا معروضی جائزہ پیش کروں گا کہ کیا قرآن ایک آسمانی صحیفہ ہے اور میں اسے مسلمہ سائنسی دریافتوں کی روشنی میں پیش کرنا چاہوں گا۔

دنیا میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جب تاریخ عالم میں ''معجزات'' کا بڑا ذکر ہوا یا جنہیں معجزات تصور کیا گیا۔ یہ معجزات انسانی استدلال اور منطق پر حاوی تھے، بیشک معجزے کی تعریف ہی یہ ہے کہ کوئی ایسی بات، ایسا واقعہ جو انسانی زندگی میں ظہور پذیر تو ہوا مگر بنی نوع انسان کے پاس اس کی کوئی تشریح اور تصریح نہ تھی، وہ یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ ایسا کیوں ہوا؟

تاہم ہمیں چاہیے کہ ہم کسی بات کو معجزہ تسلیم کرنے سے قبل بہت محتاط رہیں۔ یہ 1993ء کی بات ہے ممبئی سے نکلنے والے اخبار ''دی ٹائمز آف انڈیا'' نے یہ چونکا دینے والی خبر شائع کی کہ ایک بزرگ باب پائلٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلسل تین روز اور تین راتوں تک پانی کے ایک حوض میں تہ آب رہے ہیں۔ مگر جب اخباری رپورٹروں نے اس حوض کی تہہ میں جا کر دیکھنا چاہا کہ وہ جگہ کیسی تھی جہاں بابا نے معجزاتی کام دکھایا تھا تو باب پائلٹ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ ان کا استدلال تھا کہ کوئی رحم مادر میں یہ معائنہ کیسے کر سکتا ہے۔ بات بالکل واضح تھی کہ وہ لوگوں سے کچھ چھپانا چاہتا تھا۔ اس کا دعویٰ تو محض ایک فریب تھا جس کے ذریعے وہ پبلسٹی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آج کے اس جدید دور میں کوئی بھی انسان جو صحت مند سوچ رکھتا ہو ایسے معجزے کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر اس طرح کے جھوٹے معجزے بزرگی کی علامت تسلیم کر لئے جائیں تو ہمیں تمام مشہور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو ان کی شعبدہ بازیوں کی بنا پر اللہ والے ماننا پڑے گا۔

ایک کتاب ایسی ہے جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے اور اپنے اثر کی بنیاد پر وہ ایک معجزہ ہے۔ ایسے دعوے کی کسی بھی زمانے میں اس عہد کے معیارات کے مطابق آسمانی

سے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کی آخری وحی ہے، جو معجزات کا معجزہ ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے لئے رحم وکرم کے طور پر نازل ہوئی۔ آئیے ہم اس عقیدے کی صداقت کی تحقیق کرتے ہیں۔

قرآن کا چیلنج

ادب اور شاعری ہر کلچر میں انسانی اظہار اور تخلیق کے وسیلے رہے ہیں۔ دنیا نے وہ عہد بھی دیکھا جب ادب اور شاعری ذریعۂ تفاخر سمجھے جاتے تھے، بالکل اسی طرح جیسے آج سائنس اور ٹیکنالوجی تصور کئے جاتے ہیں۔ قرآن روئے زمین پر غیر مسلم علماء کی نظر میں بھی بہترین عربی ادب ہے۔ یہ بنی نوع انسان کو چیلنج کرتا ہے کہ اس جیسا ادب تخلیق کر سکتے ہو تو کر کے دکھاؤ۔ سورۃ البقرہ کی آیت 23-24 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''......اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورۃ تو بنا لاؤ۔ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو'۔

''پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (البقرہ:23-24)

قرآن کا چیلنج یہ ہے کہ اس میں شامل سورتوں جیسی ایک سورۃ تو بنا لاؤ۔ یہی چیلنج قرآن میں کئی جگہوں پر دہرایا گیا ہے۔ ایک ایسی سورۃ بنا لینے کا چیلنج کیا گیا جو خوبصورتی، روانی، گہرائی اور معنوی لحاظ سے اس جیسی ہو۔ یہ وہ چیلنج تھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔

ایک جدید صحت مند ذہین انسان یہ کبھی قبول نہ کرے گا کہ کوئی آسمانی کتاب بہترین شاعرانہ اور ادبی زبان میں کہے کہ زمین چپٹی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دور میں ہم زندہ ہیں یہ دور استدلال اور منطق کا دور ہے اور سائنس کو اس میں اولیت دی جاتی ہے۔آج بہت سے لوگ قرآن کو الہامی کتاب محض اس لئے کبھی قبول نہ کریں گے کہ یہ غیر معمولی خوبصورت زبان میں ہے۔کوئی بھی صحیفہ جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ آسمانی صحیفہ ہے اسے اپنے آپ کو استدلال اور منطق کی بنیاد پر قبول کروانا ہوگا۔

نامور عالمی طبیعیات دان البرٹ آئن سٹائن جو نوبل انعام یافتہ بھی تھا کہتا ہے کہ ''سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے اور مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے''۔آیئے ہم قرآن حکیم کا مطالعہ اس خیال سے کرتے ہیں کہ دیکھیں تو سہی کیا قرآن اور جدید سائنس میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے یا تضاد؟

قرآن سائنسی کتاب نہیں بلکہ آیات پر مشتمل کتاب ہے۔اس میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں۔ان میں سے ایک ہزار سے زائد وہ آیات ہیں جو سائنس کے ٹھوس حقائق کے بارے میں ہیں۔

ہم سب اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ کئی مقامات پر سائنس نے جو کہا ہوتا ہے اسی سے پھر جاتی ہے۔میں نے اس کتاب میں صرف مسلمہ سائنسی حقائق پر بات کی ہے۔ان مفروضوں اور مفروضوں پر مبنی نظریات سے گریز کیا ہے جن کو ثبوت سہارا نہ دیتے ہوں۔

4۔فلکیات......تخلیق کائنات: بگ بینگ

تخلیق کائنات کی تفصیلات بتاتے وقت فلکی طبیعیات دانوں نے وسیع طور پر تسلیم کئے جانے والے معروف مظہر قدرت ''بگ بینگ'' پر اکتفا کیا ہے۔اس کو تقویت دینے

کیلئے ان مشاہداتی اور تجرباتی اعداد و شمار سے مدد لی گئی ہے جسے کئی عشروں تک ماہرین فلکیات اور فلکی طبیعیات دان نے جمع کیا تھا بگ بینگ کے مطابق یہ پوری کائنات ابتداء میں ایک بہت بڑے تودے کی شکل میں تھی (زمین وآسمان باہم پیوست تھے)۔پھر انہیں بگ بینگ سے الگ الگ کر دیا گیا تھا جس سے کہکشائیں وجود میں آئیں۔پھر انہیں ستاروں، سیاروں، سورج، چاند وغیرہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔کائنات کی ابتداء بے مثال تھی اور اس کے اتفاقاً وجود میں آ جانے کے امکانات بالکل کوئی نہیں ہیں۔

قرآن میں اس کائنات کی ابتداء کا ذکر درج ذیل آیت میں یوں آیا ہے:

''کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا۔کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔'' (القرآن 30:21)

اس قرآنی آیت اور بگ بینگ کے درمیان جو مماثلت پائی جاتی ہے۔اس سے مفر ممکن نہیں۔ذہن سوچنے لگتا ہے کہ 1400 برس قبل عرب کے صحراؤں میں نازل ہونے والی الہامی کتاب میں یہ اٹل سائنسی صداقت کیسے آ گئی؟

5۔کہکشاؤں کی تخلیق سے قبل گیسی تودہ

سائنس دانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں کہکشاؤں کی تخلیق سے قبل فلکی مادہ اپنی ابتدائی شکل میں گیسی تودے یا دُھوئیں کی شکل میں موجود تھا جسے قرآن نے ''دخان'' کہا۔اس گیسی مادے کی تشریح کرتے وقت لفظ ''دُھواں'' زیادہ موزوں لگتا ہے۔درج ذیل آیت میں کائنات کی اس گیسی حالت کو ''دخان'' بمعنی دُھواں کہا ہے:

''پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں سا تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔'' (القرآن 11:41)

ایک بار پھر یہ حقیقت بگ بینگ سے مماثلت رکھتی ہے اور اس بارے میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل کسی کو علم نہ تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم آنحضور ﷺ کو کہاں سے حاصل ہوا؟

6۔ زمین اپنی ساخت میں گول ہے

زمانۂ قدیم میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔ کئی صدیوں تک انسان زیادہ دور دراز کے سفر پر جاتے ہوئے ڈرتے تھے، کیونکہ انہیں یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ وہ زمانے کے کنارے پر پہنچ کر گر جائیں گے! سر فرانس ڈریک نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ زمین گول ہے۔ اس نے 1597ء میں زمین کے گرد بحری سفر کیا تھا۔ قرآن کی درج ذیل آیت میں حوالہ موجود ہے کہ دن اور رات کیسے پیدا ہوتے ہیں:

''کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے؟'' (القرآن 31:29)

کھپ جانا یا ضم ہو جانا سے یہاں مراد یہ ہے کہ رات دھیرے دھیرے اور بتدریج دن میں بدل جاتی ہے اور دن اسی طرح رات میں۔ ایسا صرف اسی وقت ممکن ہے جب زمین گول ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو رات اچانک دن میں بدل جاتی اور دن رات میں۔
درج ذیل قرآنی آیت بھی زمین کے گول ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے:

''نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے''۔ (القرآن 5:39)

یہاں عربی کا لفظ ''کور'' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے لپیٹ لینا یا بل یا چکر دے کر باندھنا جیسے سر کے گرد پگڑی باندھی جاتی ہے۔ دن اور رات یہ شکل صرف اسی صورت میں اختیار کر سکتے ہیں جب زمین گول ہو۔
زمین گیند کی مانند گول نہیں ہے بلکہ یہ قطبین پر پچکی ہوئی ہے۔ درج ذیل آیت میں زمین کی شکل کے بارے میں بیان فرمایا گیا ہے:

''اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا'' (القرآن 30:79)

یہاں عربی لفظ ''دحٰھا'' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے شتر مرغ کا انڈہ شتر مرغ کے انڈے کی شکل زمین کی شکل جیسی ہوتی ہے۔
اس طرح قرآن نے زمین کی شکل کے بارے میں صحیح صحیح بتایا حالانکہ اس سے قبل یہ تصور کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی ہے۔

7۔ چاندنی منعکس ہونے والی روشنی ہے

زمانہ قدیم میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ چاند میں سے اس کی اپنی روشنی پھوٹتی ہے مگر اب سائنس نے یہ بتایا ہے کہ چاندنی منعکس ہونے والی روشنی ہے۔ قرآن نے یہی بات آج سے 1400 برس قبل بتا دی تھی:

''بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی'' (القرآن۔ 61:25)

قرآن میں سورج کے لیے عربی لفظ ''شمس'' استعمال ہوا ہے۔ اسے ''سراج'' بھی کہا گیا ہے جس کے معانی ہیں ''مشعل''۔ یا ''وھاج'' بھی جس کا مطلب ہے جلتا ہوا چراغ یا دیا۔ یہ تینوں الفاظ سورج کے لئے انتہائی موزوں ہیں کیونکہ یہ شدید گرمی پیدا کرتا ہے اور روشنی بھی جو اس کے اندر آتش گیری کے بعد پھوٹتی ہے۔ چاند کے لیے عربی لفظ ''قمر'' استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں لفظ ''منیر'' بھی اس کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے وہ جسم جس میں سے نور یا روشنی منعکس ہوتی ہے۔ یہاں بھی چاند کے لئے قرآن میں نہایت موزوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ چاند خود اپنی روشنی نہیں پھیلاتا بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔

قرآن میں چاند کے لئے ایک بار بھی سراج، وھاج یا دیا جیسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ نہ ہی سورج کے لئے نور یا منیر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سورج کی روشنی اور چاندنی کے درمیان فرق کو خوب پہچانتا ہے۔

درج ذیل آیات میں سورج اور چاند کی روشنی کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

> ''وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا'' (القرآن:5:10)

> ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ہیں اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے'' (القرآن:16-15)

معلوم ہوا کہ قرآن حکیم اور جدید سائنس سورج کی روشنی اور چاندنی کے فرق کے بارے میں مکمل ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

8۔ سورج گردش کرتا ہے

ایک طویل عرصے تک یورپی فلاسفہ اور سائنسدانوں کا خیال تھا کہ زمین کائنات کے مرکز میں ساکت کھڑی ہے اور تمام اجرام فلکی مثلاً سورج وغیرہ اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ مغربی دنیا میں کائنات کا یہ زمین مرکزی تصور دوسری صدی قبل مسیح سے بطلیموس کے زمانے سے تسلیم کیا جا رہا تھا۔ پھر 1512ء میں نکولس کوپرنیکس نے سیاروں کی گردش کا ''شمس مرکزی'' تصور دیا۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ سورج نظام شمسی کا محور ہے اور دیگر تمام سیارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

یہ 1609ء کی بات ہے جب جرمن سائنسدان یوہنس کپلر نے اپنی تحقیقی کتاب ''فلکیات انجم نو'' (اسٹرونومیا نووا) شائع کی۔ اس کتاب میں اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ سیارے صرف سورج کے گرد بیضوی مداروں میں محو گردش نہیں ہیں بلکہ ایک غیر یکساں رفتار سے اپنے محور پر بھی گردش میں ہیں۔ اس نظریے کے سامنے آتے ہی یورپی سائنسدانوں کے لئے نظام شمسی کے کئی بند دروازے کھل گئے تھے۔ اس میں رات اور دن کا پیدا ہونا اور ان کی ترتیب بھی شامل تھی۔

ان دریافتوں کے بعد اب یہ تصور کیا جا رہا تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین کی مانند اپنے محور میں گردش نہیں کرتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے بھی سکول کے زمانۂ طالبعلمی میں اس افسانوی مغالطے کے بارے میں جغرافیہ کی کتابوں میں پڑھا تھا۔ درج ذیل قرآنی آیت پر غور کیجئے:

> ''وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں''
> (القرآن۔ 33:21)

درج بالا آیت میں استعمال ہونے والا عربی لفظ ''یسبحون'' ہے۔ یہ لفظ ''سبح'' سے لیا گیا ہے۔ اس میں حرکت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جس سے مراد حرکت کرتا ہوا کوئی جسم ہے۔ اگر زمین پر رہنے والے کسی شخص کے لئے آپ یہ لفظ استعمال کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ لڑھک رہا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ چل رہا ہے یا دوڑ رہا ہے۔ اگر آپ یہی لفظ کسی ایسے شخص کے لئے استعمال کریں گے جو پانی میں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ پانی میں بہے جا رہا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ وہ پانی میں تیر رہا ہے۔

اسی طرح اگر آپ لفظ ''یسبح'' اجرام فلکی میں سے کسی کے لئے مثلاً سورج کے لئے استعمال کریں تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہوگا کہ یہ خلا میں اڑ رہا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ یہ خلا میں گردش کر رہا ہے۔ بہت سے سکولوں کی نصابی کتب میں اب یہ بات شامل کی گئی ہے کہ سورج اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ سورج کی اس محوری گردش کو ہم ایک آلے کی مدد سے بھی ثابت کر سکتے ہیں جو سورج کے عکس یا شبیہہ کو کسی میز پر دکھا سکتا ہے۔ اس طرح آنکھیں بھی نہیں چندھیاتیں اور سورج کی شبیہہ بھی انسانی آنکھ نے دیکھ لی ہوتی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ سورج کی سطح پر دھبے ہیں جو ہر 25 روز بعد ایک گول چکر پورا کرتے ہیں یعنی سورج تقریباً 25 روز میں اپنے محور کے گرد چکر پورا کرتا ہے۔

خلا میں سورج اپنا سفر 240 کلومیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے جاری رکھتا ہے۔ اور ہماری دُودھیا کہکشاں کے مرکز کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں 200 ملین برس لگاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے:

''نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔'' (القرآن۔40:36)

اس آیت میں ایک بہت بڑی حقیقت کا بیان ہے جسے جدید ماہرین فلکیات نے حال ہی میں دریافت کیا ہے اور وہ ہے۔ سورج اور چاند کے الگ الگ مدار جو خلا میں اپنی اپنی محوری حرکت کے ساتھ محوسفر ہیں۔

وہ مقررہ مقام جس کی جانب سورج اپنے مکمل نظام شمسی کے ساتھ چلا جا رہا ہے۔ اسے ماہرین جدید فلکیات نے بالآخر دریافت کر لیا ہے اسے ''سولر ایپکس'' یا ''راس الشمس'' کہتے ہیں۔ دراصل نظام شمسی خلا میں ایسے مقام کی سمت محوسفر ہے جو ''ہرکلیولیس'' نامی ستارے اور اس مجموعے میں شامل ستاروں میں واقع ہے۔ اب اس کے صحیح محل وقوع کا بھی پتا لگا لیا گیا ہے۔

چاند اپنے محور کے گرد گردش کرنے میں اتنا ہی وقت لیتا ہے جتنا وہ زمین کے گرد چکر لگانے میں لیتا ہے۔ یہ ایک چکر مکمل کرنے میں تقریباً ساڑھے اُنتیس روز لے لیتا ہے۔

قرآنی آیات میں سائنسی صداقت کو دیکھ کر محو حیرت ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کیا ہمیں اس سوال پر غور نہیں کرنا چاہیے:

''قرآن کا سرچشمہء علم کیا ہے؟''

9۔ سورج ایک روز بُجھ جائے گا

سورج کی روشنی ایک کیمیائی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جو اس کی سطح پر جاری ہے اور گزشتہ 5 بلین برسوں سے جاری ہے۔ مستقبل میں یہ کسی وقت کسی نقطے پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ ایسا اس وقت ہوگا جب سورج پوری طرح بُجھ جائے گا۔ اس کے بُجھنے سے رُوئے زمین پر تمام جاندار ختم ہو جائیں گے، ان کے چراغِ حیات بُجھ جائیں گے۔ سورج کے وجود کی بے ثباتی کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

''اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ہے
مقرر کردہ غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا۔'' (القرآن ۔ 38:36)

وہ عربی لفظ جو یہاں استعمال ہوا وہ ہے ''مستقر'' جس کا مطلب ہے مقام یا وقت جو مقررہ ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ سورج ایک مقررہ مقام کی طرف دوڑ رہا ہے اور اس کی یہ دوڑ اسی وقت تک کے لئے ہوگی جس کا تعین خالق کائنات نے پہلے سے کر رکھا ہے یعنی اس مقررہ اور معینہ وقت کے پہنچتے ہی سورج ختم ہو جائے گا، بجھ جائے گا۔

10۔ بین النجوم (ستاروں کے درمیان) مادہ

منظم فلکیاتی نظاموں کو ابتدا میں کھوکھلا تصور کیا جاتا تھا۔ بعدازاں فلکی طبیعیات دانوں نے بین النجوم مادہ کے مابین ایسے پل دریافت کئے جو ''پلازما'' کہلاتے ہیں۔ یہ پلازمے ایسی مکمل برقی گیسوں پر مشتمل ہیں جن میں آزاد الیکٹران اور مثبت برقی پارے مساوی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ پلازما کو بعض اوقات مادے کی چوتھی حالت بھی کہا جاتا ہے۔ (بقیہ تین حالتیں ٹھوس، مائع اور گیس ہیں) قرآن میں بین النجوم مادے کی موجودگی کے بارے میں درج ذیل آیت میں یوں ذکر آیا ہے:

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب
چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا۔'' (القرآن 59:25)

اگر ہم کسی کو یہ بتائیں کہ بین النجوم مادے کا ذکر آج سے 1400 برس قبل قرآن میں آ گیا تھا تو اسے یہ بات بڑی مضحکہ خیز لگے گی۔

11۔ پھیلتی ہوئی کائنات

یہ 1925ء کی بات ہے جب ایک امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے ایک مشاہداتی ثبوت پیش کیا تھا کہ تمام کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہوتی جا رہی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں وسعت ہو رہی ہے۔ آج کائنات کا پھیلنا ایک مسلمہ سائنسی حقیقت ہے۔ کائنات کی ماہیت کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے:

''آسمانوں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی
کرنے والے ہیں'' (القرآن 47:51)

عربی لفظ ''موسعون'' کا صحیح ترجمہ ہے ''اسے وسعت دینا، پھیلانا'' اور اس سے مراد یہ ہے کہ کائنات پھیلتی جا رہی ہے۔

ایک بہت نامور فلکی طبیعیات دان اسٹیفن ہاکنگ اپنی کتاب ''اے بریف ہسٹری آف ٹائم'' (وقت کی مختصر تاریخ) میں لکھتا ہے:

''یہ دریافت کہ کائنات پھیلتی جا رہی ہے بیسویں صدی کے عظیم فکری انقلابات میں سے ایک تھی''۔ قرآن نے وسعت کائنات کے بارے میں اس وقت بتا دیا تھا جب انسان نے ابھی دوربین بھی ایجاد نہ کی تھی۔

کچھ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں فلکیاتی حقائق کے بارے میں ذکر اس لئے حیرت انگیز نہیں ہے کیونکہ عرب فلکیات کے میدان میں بہت ترقی یافتہ تھے ان کا یہ کہنا اپنی جگہ درست ہے کہ عرب فلکیات میں بقیہ دنیا سے بہت آگے تھے مگر ان لوگوں کو یہ احساس کیوں نہیں ہوتا کہ جس زمانے میں عربوں نے علم فلکیات میں ترقی کی قرآن تو اس سے صدیوں پہلے نازل آ چکا تھا۔ مزید یہ کہ درج بالا بہت سے سائنسی حقائق مثلاً بگ بینگ

سے کائنات کا وجود میں آنا وغیرہ تو عربوں کے علم میں اس وقت بھی نہ تھے جب سائنسی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ تھے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں جن سائنسی حقائق کا ذکر ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ عرب علم فلکیات میں بہت ترقی کر چکے تھے۔ البتہ اس کے برعکس کی حقیقت درست ہے کہ انہوں نے علم فلکیات میں اس لئے ترقی کی کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

12۔ طبعیات

ایٹم قابل تقسیم ہے: زمانہ قدیم میں ''نظریہ ایٹامزم'' کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اسے دور دور تک پذیرائی ملی تھی۔ یہ نظریہ یونانیوں نے دیا تھا بالخصوص ایک یونانی سکالر ڈیمو کریٹس نے جو آج سے 230 صدیاں قبل گزرا ہے۔ ڈیمو کریٹس اور اس کے بعد آنے والے لوگوں کا خیال تھا کہ مادے کی سب سے چھوٹی اکائی ایٹم یا ذرہ کا زیادہ تر مطلب ایٹم ہی لیا جاتا ہے۔ دور حاضر میں جدید سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ ایٹم یا ذرے کے بھی ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ بیسیوں صدی میں یہ بات سامنے آئی کہ ایٹم کو مزید ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل یہ نظریہ عربوں کو بھی عجیب لگتا۔ ذرہ آخری حد ہے اس کے مزید ٹکڑے نہیں ہو سکتے تھے یہ نظریہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ مگر قرآن کی درج ذیل آیت میں اس حد کو ماننے سے انکار کیا گیا ہے:

''کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ سے ایک ذرّے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ نہ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔'' (القرآن 3:34)

ایسا ہی ایک پیغام قرآن کی سورۃ 10 کی آیت 61 میں بھی آیا ہے۔
اس آیت میں اللہ کے عالم الغیب ہونے کا ذکر بھی ہے۔ وہ تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، چھپی ہوئی کا بھی اور جو ظاہر ہیں ان کا بھی۔ مزید آگے جا کر بتایا گیا کہ اللہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شے کا بھی علم رکھتا ہے۔ اسے ذرے ذرے کا علم ہے اور ذرے سے چھوٹی شے کا بھی۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ذرے سے بھی چھوٹی شے ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے جدید سائنس حال ہی میں دریافت کر سکی ہے۔

13۔ آبیات

آبی چکر

یہ 1580ء کی بات ہے جب برنارڈ پالسی نے آج کے آبی چکر کے تصور کا پہلی بار ذکر کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ پانی کس طرح بخارات بن کر سمندروں سے اٹھتا ہے اور پھر ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہ بادل فضا میں بلند ہو کر کثیف شکل اختیار کر کے بارش کی صورت میں زمین پر برستے ہیں۔ یہی پانی جھیلوں، ندیوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے اور پھر واپس سمندروں میں لوٹ جاتا ہے۔ یوں ایک مسلسل آبی چکر وجود میں آتا ہے
ساتویں صدی عیسوی میں میلٹس کے تھیلز نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہوائیں سمندروں کے پانی کو اٹھائے پھرتی ہیں اور پھر یہی پانی بارش کی شکل میں برس جاتا ہے۔
پرانے زمانے میں لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ زیر زمین پانی کہاں سے آتا ہے۔ ان کا

خیال تھا کہ سمندروں کا پانی ہواؤں کے زیر اثر زمین کے اندر دھنس جاتا ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ یہی پانی کسی خفیہ راستے سے یا گہری خلیج کے راستے سمندروں میں چلا جاتا تھا۔ یہ راستہ سمندروں سے جڑا ہوا تھا اور اسے افلاطون کے عہد میں ٹارٹرس کہتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے عظیم مفکر ڈیکارٹس نے بھی اس نظریے سے اتفاق کیا تھا۔ پھر انیسویں صدی آئی اور اب تک ارسطو کا نظریہ رائج تھا۔ اس نظریے کے مطابق پانی ٹھنڈی کوہستانی غاروں میں کثیف شکل اختیار کر لیتا تھا۔ پھر یہ زیر زمین جھیلوں میں چلا جاتا تھا۔ جہاں سے چشمے پھوٹتے تھے۔ آج ہمیں یہ معلوم ہوا کہ بارش کا وہ پانی جو زمین کی دراڑوں کے ذریعے زیر زمین چلا جاتا ہے۔ وہ اس کا سبب بنتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم کی درج ذیل آیات میں یوں آیا ہے:

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کے سوتوں میں پہنچاتا ہے پھر اسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں اور آپ انہیں زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ اس میں عقلمندوں کے لئے بہت زیادہ نصیحت ہے۔'' (القرآن 21:39)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لئے بجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (القرآن 18:23)

آج سے 1400 برس قبل کی کوئی اور کتاب آبی چکر کی اس قدر صحیح صحیح تفصیل پیش نہیں کرتی۔

14۔ عملِ تبخیر

''بارش والے آسمان کی قسم'' (القرآن 11:86)

15۔ بادلوں کو بار آور کرتی ہوائیں

''اور ہم بھیجتے ہیں بوجھل ہوائیں، پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔''
(القرآن 22:15)

یہاں جو عربی لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے ''لواقح'' جو جمع ہے۔ ''یقح'' کی جس کا مطلب ہے بار آور کرنا۔ یہاں سیاق وسباق کے حوالے سے بار آور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہوا بادلوں کو دھکیلتی ہے جس سے ان کی کثافت میں اضافہ ہوتا ہے جس سے بجلی کی چمک پیدا ہوتی ہے اور بارش برستی ہے۔ قرآن پاک کی درج ذیل آیات میں ایسی ہی تفصیل یوں دی گئی ہے:

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے پھر انہیں ملاتا ہے پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برساتا ہے پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی'' (القرآن 43:24)

"اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں اور جنہیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں۔" (القرآن 48:30)

آبیات پر دستیاب جدید اعداد و شمار اس موضوع پر قرآنی تشریح اور بیان سے مکمل طور پر اتفاق کرتے ہیں۔

آبی چکر کا ذکر دیگر بہت سی قرآنی آیات میں بھی آیا ہے جن میں 7:57، 17:13، 25:48-49، 35:9، 36:34، 45:5، 50:9-11، 56:68-70 اور 67:30 شامل ہیں۔

16۔ علم الارض

پہاڑ زمین میں میخوں کی طرح گڑھے ہوئے ہیں

علم الارض میں تہ بہ تہ ہونے کا مظہر ایک حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے تہ بہ تہ ہونے کے عمل سے پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں۔ وہ سطح زمین جس پر ہم زندہ ہیں ایک ٹھوس خول کی مانند ہے جبکہ گہرائی میں موجود نہیں گرم اور سیال مادے کی شکل میں ہے جس کی وجہ سے وہاں زندگی کسی بھی شکل میں ممکن نہیں یہ بات بھی سبھی کے علم میں ہے کہ پہاڑوں کی مضبوطی اور استحکام ان کے تہ بہ تہ ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے کہ یہی تہیں پہاڑوں کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ماہرین علم الارض ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا نصف قطر تقریباً 6,035 کلومیٹر ہے اور اس کے جس بالائی حصے پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں وہ بہت پتلا ہے اور 2 سے 35 کلومیٹر ہے۔ چونکہ زمین کی یہ بالائی سطح پتلی ہے اس لئے اس بات کا قوی امکان رہتا ہے کہ ہلنے لگے گی۔ پہاڑ زمین میں پیوست میخوں کا کام کرتے ہیں جو زمین کی اس بالائی سطح کو قائم رکھتے اور استحکام دیتے ہیں۔ قرآن میں بھی بالکل اسی طرح کا ذکر آیا ہے:

"کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا)۔" (القرآن 78:6-7)

عربی لفظ "اوتاد" کا مطلب ہے میخیں۔ (ان میخوں جیسی جو خیمے نصب کرتے وقت استعمال کی جاتی ہیں)۔ یہ ارضی تہوں کے لئے گہری بنیادوں کا کام دیتی ہیں۔

پوری دنیا میں علم الارض پر ایک نصابی کتاب "ارتھ" (زمین) جامعات میں بطور ایک حوالے کی کتاب کے پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں سے ایک کا نام ڈاکٹر فرینک پریس ہے جو امریکی اکادمی برائے سائنسز میں بارہ برس تک صدر رہے۔ وہ سابق صدر امریکا، جمی کارٹر کے سائنسی مشیر بھی تھے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر فرینک نے پہاڑوں کو کلہاڑی کے نوکدار پھل سے تشبیہ دی ہے اور خود پہاڑ اس کا ایک چھوٹا سا حصہ بتایا ہے جس کی جڑیں زمین میں گہرائی تک چلی گئی ہیں۔ اس کی رائے میں پہاڑ زمین کے قشر ارض (بالائی سطح) کو مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

قرآن پہاڑوں کے کردار کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ زمین کو ہلنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے اور ہم

نے اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تا کہ وہ راستہ حاصل کریں۔" (القرآن 31:21)

قرآن میں اس حوالے سے جو بیان ہوا وہ جدید ارضی اعداد وشمار کے عین مطابق ہے۔ ایسا ہی ایک پیغام قرآن کی سورۃ:31 کی آیت نمبر 10 میں اور سورۃ:16 کی آیت 15 میں بھی آیا ہے۔

17۔ پہاڑوں کو زمین میں مضبوطی سے گاڑھ دیا گیا ہے

قشرارضی یا زمین کی بالائی سطح کو بہت سی سخت پلیٹوں میں توڑ دیا گیا ہے جن کی موٹائی تقریباً 100 کلومیٹر ہے۔ یہ پلیٹیں جزوی طور پر ایک سیال مادے پر تیر رہی ہیں جسے "ایستھنوصفیر" کہتے ہیں۔

پہاڑوں کی تشکیل ان ہی پلیٹوں کے کناروں پر ہوتی ہے۔ قشرارض کی موٹائی سمندروں سے نیچے 5 کلومیٹر ہے اور خشک سطح زمین کے نیچے 35 کلومیٹر اور تقریباً 80 کلومیٹر موٹائی عظیم پہاڑی سلسلوں کے نیچے ہوتی ہے۔ یہ وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ کھڑے ہیں۔ قرآن میں ان مضبوط پہاڑی بنیادوں کا ذکر یوں آیا ہے:

"اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا۔" (القرآن 32:79)

سو معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں پہاڑوں کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہے وہ علم الارض کی حالیہ دریافتوں کے عین مطابق ہے۔ یہی ذکر قرآن کی سورۃ 88 کی آیت 19 میں بھی آیا ہے۔

18۔ بحریات

شیریں اور نمکین پانیوں کے درمیان دیوار

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔" (القرآن 55:19-20)

عربی لفظ "برزخ" کا مطلب ہے آڑ، دیوار، جدا کرنے والی فصیل۔ عربی لفظ "مرج" کے معنی ہیں "وہ دونوں مل جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں"۔ ابتداً جن مفسرین اور مترجمین نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا وہ پانی کے دو الگ الگ دھاروں کے دو مختلف معانی بیان نہ کر سکے۔ یعنی یہ کہ یہ پانی کے دو الگ الگ دریا آپس میں مل کر ایک دوسرے میں گڈمڈ بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان دو کے درمیان آڑ یا دیوار بھی کھڑی ہے۔ جدید سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ جہاں دو مختلف سمندر آپس میں ملتے ہیں ان کے درمیان ایک دیوار بھی حائل ہوتی ہے۔ یہ دیوار ان دو سمندروں کو جدا کرتی ہے۔ تاکہ ان دو میں سے ہر ایک کا پانی کا درجہ حرارت اپنا اپنا رہے۔ ان کی نمکیاتی سطح (کھاری پن) اور کثافت جدا جدا رہے۔ ماہرین بحریات آج قرآن پاک کی اس آیت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ دو سمندروں کے درمیان نہ نظر آنے والا ایک پردہ حائل ہوتا ہے جس کے ذریعے ایک سمندر کا پانی دوسرے سمندر کے پانی میں جا ملتا ہے۔

لیکن جب ایک سمندر کا پانی دوسرے سمندر کے پانی میں داخل ہوتا ہے تو یہ اپنی امتیازی خصوصیت کھو بیٹھتا ہے اور دوسرے سمندر کے پانی جیسا ہو جاتا ہے یعنی اس سمندر

کے پانی کی خصوصیات اختیار کر لیتا ہے۔ ایک طرح سے یہ دیوار دو سمندروں کے پانیوں کے درمیان عارضی طور پر ہم جنس یا ہم صفت بنانے کا کام کرتی ہے۔

اسے قرآن پاک نے یوں بیان کیا ہے:

''اور دو سمندروں کے درمیان روک بنادی۔'' (القرآن 61:27)

یہ مظہر قدرت کئی مقامات پر واقع ہوتا ہے۔ یہ جبرالٹر کے مقام پر بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس کے پانیوں کو منقسم کرتا ہے۔ ایک سفید دھاری پٹی جنوبی افریقا کے علاقے جزیرہ نما کیپ میں واضح طور پر نظر آتی ہے جہاں بحر اوقیانوس اور بحر ہند کا مقام اتصال ہے۔

تاہم جب قرآن میٹھے اور کھارے پانیوں کے درمیان حد بندی یا روک کا ذکر کرتا ہے تو یہ اسے ایک ''ممنوعہ تقسیم'' یا دیوار قرار دیتا ہے جسے عبور کرنے کی اجازت نہ ہو۔

قرآن پاک کی سورۃ 25 کی آیت 53 میں ارشاد ہوا:

''اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں۔ یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کر دی۔'' (القرآن 53:25)

جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ سمندر کے وہ دہانے جہاں تازہ میٹھا اور نمکین کڑوا پانی آپس میں ملتے ہیں تو صورت حال اس مقام کی صورت حال سے کچھ مختلف ہوتی ہے جہاں دو نمکین پانی والے سمندر آپس میں ملتے ہوں۔ یہ بات دریافت ہوئی ہے کہ سمندروں کے چوڑے دہانوں پر جو شے میٹھے تازہ پانی کو نمکین پانی سے الگ اور ممیز کرتی ہے اسے ''Pycnocline'' زون کہتے ہیں۔ یہاں وہ کثافت قابل ذکر حد تک ختم ہو جاتی ہے جو دو تہوں کو جدا کرتی ہے۔ یہ حد بندی (جدا کرنے والا زون) تازہ میٹھے پانی اور نمکین پانی دونوں سے مختلف کھاری پن رکھتی ہے۔

یہ مظہر قدرت بہت سے مقامات پر واقع ہوتا ہے بشمول مصر، جہاں دریائے نیل بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔

یہ سائنسی مظہر قدرت جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اس کی تصدیق ڈاکٹر ولیم ہے نے بھی کی ہے جو بحریات کے نامور سائنسدان بھی ہیں اور امریکا کی کولوراڈو یونیورسٹی میں ارضی سائنسز کے شعبے میں بطور پروفیسر بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

19۔ سمندر کی گہرائیوں میں تاریکی

پروفیسر درگا راؤ بحری ارضیات کے میدان میں بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ (سعودی عرب) میں پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ انہیں درج ذیل آیت قرآنی پر اپنی رائے کے اظہار کے لئے کہا گیا تھا:

''یا (کفار کی حالت) مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔'' (القرآن 39:24)

پروفیسر راؤ نے کہا کہ سائنسدان تو حال ہی میں جدید آلات کے ذریعے یہ تصدیق کر سکے ہیں کہ سمندر کی تہ میں تاریکی ہے۔ انسان سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونا چاہے تو بغیر اِمدادی آلات کے 20 تا 30 میٹر سے آگے نہیں جا سکتا۔ وہ 200 میٹر کی

زیادہ گہرائی میں جا کر سمندر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس آیت میں تمام سمندروں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ہر سمندر کی گہرائی میں جمع شدہ تاریکی تہ بہ تہ نہیں ہے یہ صرف اس گہرے سمندر کے بارے میں ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:

''ایک وسیع گہرے سمندر میں تاریکی۔''

یہ تہ در تہ تاریکی جو گہرے سمندر میں پائی جاتی ہے اس کے دو اسباب ہیں:

1۔ روشنی کی ایک کرن میں سات رنگ ہوتے ہیں جیسا کہ ہم قوس قزح میں دیکھتے ہیں۔ یہ سات رنگ یہ ہیں: بنفشی، کاسنی، نیلا، سبز، زرد، مالٹائی اور سرخ۔ روشنی کی کرن جب پانی سے ٹکراتی ہے تو اس میں انعطاف پیدا ہوتا ہے۔ اوپر کے 10 تا 15 کلومیٹر کے فاصلے کا پانی سرخ رنگ کو جذب کر لیتا ہے اس لئے اگر غوطہ خور پانی کے اندر 25 میٹر تک پہنچ گیا ہے اور زخمی ہو جاتا ہے تو اسے اپنے خون کا سرخ رنگ نظر نہیں آئے گا کیونکہ سرخ رنگ اتنی گہرائی میں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح مالٹائی رنگ کی کرنیں 30 تا 50 میٹر کے فاصلے پر پانی میں جذب ہو جاتی ہیں، زرد 50 تا 100 میٹر پر، سبز 100 تا 200 میٹر تک اور نیلی 200 میٹر سے آگے۔ پھر بنفشی اور کاسنی رنگ کی کرنوں کی باری آتی ہے جو اس سے آگے پانی میں جذب ہو کر غائب ہو جاتی ہیں۔ یوں یکے بعد دیگرے رنگوں کے غائب ہو جانے کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے یعنی روشنی کی لہروں میں تاریکی جگہ بنا لیتی ہے۔ پھر 1000 میٹر سے نیچے سمندر کے پانی میں مکمل تاریکی ہوتی ہے۔

2۔ سورج کی کرنوں کو بادل جذب کر لیتے ہیں جو جواباً روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہیں یوں بادلوں کے نیچے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یہ تاریکی کی پہلی تہ ہوتی ہے۔ جب روشنی کی کرنیں سمندر کی سطح تک پہنچتی ہیں تو لہروں کی سطح انہیں منعکس کرتی ہے اور وہ

چمکنے لگتی ہیں۔ چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ لہریں روشنی کو منعکس کرتی ہیں جس سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ جو روشنی منعکس نہیں ہوتی وہ سمندر کی گہرائیوں میں راستہ بنا لیتی ہے۔ اس طرح سمندر کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ سطح آب جو چمکدار اور روشن ہونے کے ساتھ ساتھ گرم ہوتی ہے اور گہرائی جہاں تاریکی نے ڈیرہ ڈال لیا ہو۔ سطح آب سمندر کے گہرے حصے سے لہروں کے ذریعے مزید جدا کر دی جاتی ہے۔

اندرونی لہریں سمندروں کے گہرے پانیوں کو ڈھانپ لیتی ہیں کیونکہ گہرے پانیوں میں ان سے اوپر کے کم گہرے پانیوں کی نسبت کثافت زیادہ ہوتی ہے۔

تاریکی اندرونی لہروں کے نیچے سے شروع ہوتی ہے۔ اس گہرے پانی میں مچھلیاں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ انہیں جو روشنی ملتی ہے وہ ان کے اپنے جسموں سے نکلتی ہے۔

قرآن پاک نے اسے بڑے برمحل اور خوبصورت طریقے سے پیش کیا ہے:

''اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرے کے اوپر ایک اور موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔'' (القرآن 24:40)

دوسرے لفظوں میں ان موجوں کے اوپر مزید قسموں کی موجیں ہیں۔ یعنی وہ موجیں جو سمندر کی سطح پر پائی جاتی ہیں۔ قرآنی آیت آگے چل کر بتاتی ہے کہ ''اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے'' یہ بادل ایک دوسرے کے اوپر پردے، آڑ یا رکاوٹیں ہیں جو مختلف سطحوں پر رنگوں کو جذب کر کے مزید تاریکی پیدا کرتی ہیں۔

پروفیسر درگا راؤ نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے کہا:

''1400 برس قبل ایک عام انسانی ذہن اس مظہر قدرت کو اس قدر

تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا تھا۔ سو یہ معلومات یقیناً کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ مافوق الفطرت ذریعہ سے آئی ہے۔‘‘

پروفیسر راؤ کا یہ بیان ایک وڈیو کیسٹ میں بھی موجود ہے جس کا عنوان ہے ’’This is the Truth‘‘ (یہی سچ ہے) یہ کیسٹ اسلامی تحقیقی فاؤنڈیشن سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

’’اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔‘‘ (القرآن 54:25)

کیا آج سے 1400 برس قبل کسی انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ یہ اندازہ لگا سکے کہ انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے؟ مزید یہ کہ عرب کے صحراؤں میں زندگی گزارنے والا کوئی انسان ایسا اندازہ کرسکتا تھا جہاں ہمیشہ پانی کی قلت رہی ہے؟

20۔ نباتات

پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں

پہلے زمانے میں انسان نہیں جانتا تھا کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ علم نباتات سے معلوم ہوا کہ ہر پودے میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پودے جو ایک جنسی ہوتے ہیں ان میں بھی نر اور مادہ کے جداگانہ اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا ہے:

’’آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے۔ پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔‘‘ (القرآن 53:20)

21۔ پھلوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں

’’اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیئے ہیں۔‘‘ (القرآن 3:13)

پھل یا ثمر ہر اعلیٰ نسل کے پودے کی حتمی پیداوار ہوتی ہے۔ پھل لگنے سے پہلے پودے پر پھول آتے ہیں جس کے نر اور مادہ اعضا ہوتے ہیں۔ ایک بار جب زردانے پھول تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر پودے پر پھل لگ جاتے ہیں۔ یہ پھل پھر پک کر بیج آزاد کر دیتے ہیں۔ تمام پھلوں میں نر اور مادہ اعضا پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ پھلوں کی کئی قسمیں ہیں جن میں غیر بارآور پھولوں سے بھی پھل حاصل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کیلے، اناس کی چند قسمیں، انجیر، مالٹا، انگور وغیرہ۔ ان میں مخصوص جنسی اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔

22۔ اللہ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کئے ہیں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ’’اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرسکو۔‘‘ (القرآن 49:51)

اس آیت میں زور ہر شے پر دیا گیا ہے۔ انسانوں، جانوروں، پودوں اور پھلوں کے علاوہ اس میں بجلی کا ذکر بھی ہوسکتا ہے جس میں مثبت اور منفی بار رکھنے والے الیکٹران ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی چیزوں کے جوڑے مراد ہو سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں اس کا ذکر یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں خواہ وہ ایسی چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔'' (القرآن 36:36)

قرآن کہتا ہے کہ ہر چیز کو جوڑے میں پیدا کیا گیا ہے ان میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن کے بارے میں انسان فی الحال کچھ نہیں جانتے۔ مستقبل میں ہوسکتا ہے وہ جان لیں۔

23۔ حیوانات

جانور اور پرندے گروہوں میں زندگی بسر کرتے ہیں

قرآن پاک درج بالا عنوان کے حوالے سے ہمیں بتاتا ہے کہ

''اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔'' (القرآن 38:6)

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جانور اور پرندے گروہوں میں زندگی بسر کرتے ہیں یعنی وہ منظم ہو کر زندہ رہتے اور مل جل کر کام کرتے ہیں۔

24۔ پرندوں کی پرواز

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرماں ہو کر فضا میں اُڑتے ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں۔ بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔'' (القرآن 79:16)

ایک اور آیت میں پرندوں کا ذکر یوں آیا ہے:

''کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے اُڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے۔ انہیں (اللہ) رحمٰن ہی ہوا اور فضا میں تھامے ہوئے ہے۔ بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔'' (القرآن 19:67)

عربی لفظ ''امسک'' کا مطلب ہے اپنا ہاتھ رکھ کر کسی شے کو پکڑ لینا روک لینا یا پیچھے کھینچنا تا کہ وہ شے توازن میں رہے''۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ ہی پرندوں کو طاقت پرواز عطا کرتا ہے۔ اور انہیں فضاؤں میں سہارے ہوئے ہے۔ یہ آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ پرندے قوانین خداوندی کے تابع ہوتے ہیں۔ جدید سائنسی اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پرندوں کی چند قسمیں ایسی ہیں جو اپنی پرواز اور نقل مکانی کے پروگراموں میں بڑی جامعیت رکھتی ہیں۔ یہ امر باعث حیرت نہیں کہ کچھ پرندے طویل پرواز کا نہ تو کوئی تجربہ رکھتے ہیں نہ ہی کوئی انہیں ان اڑانوں میں رہنمائی فراہم کر رہا ہوتا ہے

مگر پھر بھی وہ دور دراز کے پر پیچ راستوں سے گزر کر ایک مخصوص منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ایسا اس لئے ہوجاتا ہے کیونکہ ان کے جینیاتی نظام میں موجود ایک موروثی پروگرام ان کی رہنمائی کرتا ہے۔وہ جہاں سے اڑتے ہیں وہاں ایک طویل اڑان کے بعد معینہ وقت پر واپس بھی آ جاتے ہیں۔

پروفیسر ہیمبرگر اپنی کتاب ''پاور اینڈ فریجلٹی'' (طاقت اور کمزوری) میں ایک پرندے کی مثال دیتا ہے جسے ''مٹن برڈ'' کہتے ہیں اور وہ بحرالکاہل کے ساحلی علاقے میں پایا جاتا ہے۔یہ پرندہ انگریزی کے آٹھ (8) کے ہندسے کی شکل بنا کر 24000 کلومیٹر سے زیادہ طویل سفر طے کر لیتا ہے۔وہ یہ سفر چھ ماہ کے عرصے میں طے کر کے صرف ایک ہفتے کی تاخیر سے اس مقام پر واپس پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ محو پرواز ہوا تھا۔ایسے سفر کے لئے نہایت پیچیدہ ہدایات ان پرندوں کے ''اعصابی خلیوں'' میں موجود ہوتی ہیں۔یقیناً یہ پروگرام انہیں بنانے اور تخلیق کرنے والے نے پہلے سے ان کے اندر فٹ کر دیئے ہیں۔ہم کیوں نہ اس پروگرامر کی شناخت پر غور کریں؟......

25۔شہد کی مکھی اور اس کی مہارت

شہد کی مکھی کے بارے میں درج ذیل آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اُونچی اُونچی ٹٹیوں میں اپنے گھر اچھے بنا۔اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں پر چلتی پھرتی رہ،ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا

مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔''(القرآن 69-59:16)

شہد کی مکھیوں کے طرز زندگی اور ابلاغ باہمی پر تحقیق کرنے پر وان فرش نامی شخص کو نوبل پرائز ملا تھا۔اس نے شہد کی مکھیوں کے باہمی روابط نظم وضبط پر ایک سیر حاصل تحقیق کی تھی۔شہد کی مکھی جب کوئی نیا باغ تلاش کر لیتی ہے یا نئے پھول دیکھ لیتی ہے تو واپس آ کر دوسری شہد کی مکھیوں کو نہ صرف صحیح سمت اور مقام بتا دیتی ہے بلکہ انہیں وہاں تک پہنچنے کا نقشہ فراہم کر دیتی ہے۔اسے ''رقص مگس'' کہتے ہیں۔فوٹوگرافی اور دیگر طریقوں سے اس بات کا سائنسی طور پر پتا لگا لیا گیا ہے کہ شہد کی مکھی کی حرکات وسکنات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معلومات کو دیگر ساتھی شہد کی مکھیوں کے درمیان پہنچانا چاہتی ہے۔درج بالا آیات میں بتایا گیا ہے کہ شہد کی مکھی کس طرح اپنی مہارت سے اپنے رب کی آسان راہوں پر چلتی پھرتی رہتی ہے۔

درج بالا آیات میں شہد کی مکھی کو مادہ بتایا گیا ہے لفظ ''فاسلکی'' اور ''کلی'' عربی میں صیغۂ تانیث ہیں۔یعنی سپاہی یا کارکن ہمیشہ مادہ مکھی ہوتی ہے۔

مشہور انگریزی ڈراما نگار ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''ہنری ہشتم'' میں کچھ کردار شہد کی مکھیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں میں سپاہی ہوتے ہیں جن کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔شیکسپیئر کے عہد میں لوگ یہی خیال کرتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ کارکن شہد کی مکھیاں نر ہوتی ہیں اور وہ گھر واپس جا کر بادشاہ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہیں۔مگر یہ درست نہیں ہے کارکن مکھیاں مادہ ہوتی ہیں اور وہ بادشاہ کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتیں۔البتہ وہ ملکہ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہیں۔دراصل اس حقیقت کو جاننے کے لئے گزشتہ 300 برسوں کے دوران جدید تحقیق ہوئی ہے۔

26۔مکڑی کا جالا......ایک نازک گھر

درج بالا موضوع پر قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے۔ کاش! وہ جان لیتے۔" (القرآن 41:29)

مہین تاروں کے مکڑی کے گھر کا ذکر کرتے ہوئے درج بالا آیت میں اسے ساخت کے اعتبار سے ناپائیدار اور بودا، کمزور اور نازک ہی نہیں کہا بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ مکڑی کے گھر میں باہمی رشتے بھی ناپائیدار ہوتے ہیں جس میں اکثر و بیشتر مکڑی اپنے ساتھی مکڑے کو مار ڈالتی ہے۔

اسی مثال سے ان لوگوں کے باہمی رشتوں کی کمزوری اور ناپائیداری بھی واضح ہوتی ہے جو اللہ کے سوا اس دنیا اور آخرت کے لئے کسی اور کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جو ان کے کسی کام نہیں آ سکتے۔

27۔چیونٹیوں کا طرزِ زندگی اور نظام خبر رسانی

"سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرند میں سے جمع کئے گئے۔ (ہر ہر قسم کی) الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی۔ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک

چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان علیہ السلام اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔" (القرآن 27:17-18)

ماضی میں کچھ لوگ قرآن کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ جنوں پریوں کی کہانیوں کی کتاب ہے۔ اس میں چیونٹیاں ایک دوسرے سے باتیں کرتی بتائی گئی ہیں۔ یہ چیونٹیاں ایک دوسرے تک پیغامات بھی پہنچاتی ہیں۔ دور حاضر میں وہ لوگ زندہ ہوتے تو یقیناً انہیں شرمندگی ہوتی کیونکہ چیونٹیوں کے بارے میں جدید تحقیق سے کئی ایسے حقائق سامنے آئے ہیں جو پرانے زمانے میں انسان کے علم میں نہ تھے۔ تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کچھ جانوروں اور حشرات الارض کا طرز زندگی انسانی طرز حیات کے بہت قریب اور مشابہ ہے جن میں چیونٹیاں بھی شامل ہیں۔ چیونٹیوں کے بارے درج ذیل حقائق اس بات کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں:

(الف) چیونٹیاں مرنے والی چیونٹیوں کو اسی طرح دفن کرتی ہیں جس طرح انسان کرتے ہیں۔

(ب) انہوں نے اپنے کام کاج کی تقسیم کر رکھی ہے اور تقسیم کار کا ایک نہایت عمدہ نظام ان کے ہاں رائج ہے۔ ان میں مینیجر، سپروائزر، فورمین اور ورکر وغیرہ ہوتے ہیں۔

(ج) یہ کبھی کبھار آپس میں مل بیٹھتی ہیں اور گپ شپ کرتی ہیں۔

(د) باہمی بات چیت اور ابلاغ کا بھی ان کے ہاں ایک نہایت ترقی یافتہ طریقہ رائج ہے۔

(ڈ) ان کے ہاں باقاعدہ بازار لگتے ہیں جہاں یہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

(ر) چیونٹیاں موسم سرما میں طویل عرصے کے لئے اناج کا ذخیرہ کر لیتی ہیں۔ اس اناج میں سے کونپلیں نکلنے لگیں تو یہ اس کی جڑیں کاٹ دیتی ہیں گویا یہ اس بات سے باخبر ہیں کہ اگر انہوں نے اسے اُگنے دیا تو وہ گل سڑ جائے گا۔ اگر بارشوں کی وجہ سے ان کا ذخیرہ کیا ہوا اناج گیلا ہو جاتا ہے تو یہ اسے خشک کرنے کے لئے دھوپ میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ خشک ہو جائے تو چیونٹیاں اسے اندر لے جاتی ہیں جیسے ان کے علم میں ہو کہ اس اناج میں نمی آ گئی تو اس کی جڑیں نکل آئیں گی اور یہ گل سڑ جائے گا۔

28۔ علمِ طب

شہد: اس میں بنی نوع انسان کے لئے شفا ہے

شہد کی مکھی قسم قسم کے پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی اور پھر اس سے اپنے جسم کے اندر شہد بناتی ہے۔ اسے وہ موم کے چھوٹے چھوٹے خانوں میں جمع کر دیتی ہے۔ یہ صرف دوسوسال قبل کی بات ہے جب یہ بات انسان کے علم میں آئی تھی کہ شہد شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ مگر قرآن نے اس کے بارے میں 1400 برس قبل بتا دیا تھا۔ درج ذیل آیت میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

> ''ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے۔ جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔'' (القرآن 16:69)

ہمیں آج یہ معلوم ہوا کہ شہد میں شفا ہے اور یہ دافع عفونت بھی ہے۔ جنگ عظیم دوم میں روسی اپنے زخموں پر شہد لگاتے تھے۔ یہ زخم میں کسی قدر نمی برقرار رکھتا ہے اور زخم کے

مندمل ہو جانے کے بعد زخم کی جگہ کوئی بدنما داغ نہیں چھوڑتا۔ شہد کے گاڑھے پن کی وجہ سے اس میں پھپھوندی نہیں لگتی اور جراثیم کے نمو کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔

انگلستان کے نرسنگ ہومز میں جن 27 مریضوں کا علاج سسٹر کیرول نے چھتے کے موم سے کیا تھا ان کے سینے کی ناقابل علاج بیماری اور شدید دماغی خلل کے عارضے میں ڈرامائی بہتری پیدا ہوئی تھی۔

چھتے کا یہ موم ایک ایسا مادہ ہوتا ہے جو شہد کی مکھیاں اپنے چھتوں کو بیکٹیریا سے بچانے کے لئے غُنچہ ہائے گُل سے تیار کرتی ہیں۔

ایک ایسا شخص جسے کسی خاص پودے سے الرجی ہوا سے اسی پودے سے حاصل کردہ شہد دیا جائے تو اس شخص میں اس الرجی کے خلاف قوت مدافعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

شہد میں فرکٹوز نامی گلوکوز اور وٹامن ''k'' وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

شہد سے متعلق جو معلومات قرآن میں موجود تھیں۔ جن میں یہ بتایا گیا تھا کہ شہد آتا کہاں سے ہے اس کے خواص کیا ہیں اور یہ بنی نوع انسان کے لئے شفا ہے، وہ نزول قرآن کے صدیوں بعد انسان نے بذریعہ تحقیق دریافت کیں۔

29۔ علم الافعال الاعضاء (فزیالوجی)

نظام دوران خون اور دودھ

مسلمان سائنس دان ابن نفیس نے جب دوران خون کا ذکر کیا قرآن پاک اس سے 600 برس قبل نازل ہوا تھا جبکہ نزول قرآن کے ایک ہزار سال بعد ولیم ہاروے نے دوران خون کے نظام کے بارے میں مغربی دنیا کو آگاہ کیا تھا۔

جب حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ غذا کس طرح جزو بدن بننے سے قبل آنتوں میں ہضم ہوتی ہے اور پھر جسم کے دیگر اعضاء کونشوونما دیتی ہے، اس سے تقریباً 1300 برس پہلے قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ واضح کر چکی تھی کہ دودھ کے اجزاء کس طرح بنتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کے نتائج حیرت انگیز حد تک قرآن کے مطابق ہیں۔

مذکورہ بالا نظریات اور قرآن پاک میں دیئے گئے حقائق کی باہمی مماثلت سے قبل یہ جان لینا مفید ہوگا کہ آنتوں میں کیمیائی تعاملات کیسے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ کس عمل سے غذا کے کچھ اجزاء آنتوں سے ایک پیچیدہ مگر عمدہ نظام کے ذریعے دوران خون میں شامل ہو کر جسم کے مختلف حصوں تک جا پہنچتے ہیں۔ البتہ دیگر غذائی حصے جو اپنی کیمیائی ترکیب مین جداگانہ ہیں وہ جگر کے ذریعے خون میں شامل ہوتے ہیں۔ اس نہایت مربوط اور مقررہ نظام کے ذریعے خون ان غذائی عناصر کو دودھ پیدا کرنے والے غدود سمیت تمام اعضائے جسم تک پہنچاتا ہے۔

اسے سادہ سے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ غذا کے بعض اجزاء آنتوں کی دیواروں سے رستے ہوئے پورے بدن میں پھیلی خون کی باریک شریانوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر نظام دوران خون کے مطابق پورے بدن میں پھیل جاتے ہیں۔ ہم اس نظام قدرت کو بنظر تحسین دیکھنا چاہیں تو قرآن پاک کی درج ذیل آیات ہمیں بڑی مدد کرتی ہیں:

> ''تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے سہتا پچتا ہے۔''
> (القرآن 66:16)

> ''تمہارے لئے چوپایوں میں بڑی بھاری عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی بہت سے نفع تمہارے لئے ان میں ہیں۔ ان میں سے بعض بعض کو تم کھاتے ہو۔'' (القرآن 21:23)

آج سے 1400 برس قبل' مویشیوں میں دودھ کس طرح بنتا ہے کے بارے میں جو کچھ قرآن پاک نے بتایا تھا وہ جدید علم الافعال الاعضاء (فزیالوجی) نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔

30۔ علم جینیات

مسلمان کچھ سوالات کے جوابات چاہتے ہیں:

ممتاز یمنی عالم شیخ عبدالمجید ازندانی کی سربراہی میں مسلمان علماء نے علم جینیات کے بارے میں اور دیگر سائنسز سے متعلق معلومات قرآن اور احادیث سے جمع کرنی شروع کی تھیں۔

پھر ان کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مُور کو پیش کیا گیا تھا جو کینیڈا کی یونیورسٹی آف ٹورانٹو میں شعبہ جینیات کے پروفیسر اور صدر شعبہ علم تشریح الاعضاء تھے۔ جینیات کے شعبے میں ڈاکٹر مور آج کل بہت اعلیٰ مقام و مرتبے پر فائز ہیں۔

جب ڈاکٹر مور کو قرآن پاک سے حاصل کردہ تمام مواد پیش کر کے ان سے رائے لی گئی تو انہوں نے اس کا بغور جائزہ لیا اور بتایا کہ علم جینیات سے متعلق قرآن اور مستند احادیث سے جتنی معلومات حاصل کی گئی ہے وہ جدید سائنسی تحقیق کے عین مطابق ہے اور اس میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ تاہم ڈاکٹر مور نے کہا کہ چند آیات ایسی ہیں جن

پر وہ تبصرہ کرنے سے قاصر تھے۔ اس لئے کہ وہ ان باتوں کے بارے میں ابھی خود کچھ نہیں جانتا تھا اس لئے وہ ان کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں اپنی رائے نہیں دے سکتا تھا۔ یہ معلومات ڈاکٹر مور کے خیال میں وہ تھیں جن کا ذکر علم جینیات کی جدید کتب میں اور تحریروں میں کہیں نہیں آیا تھا ان میں سے دو آیات یہ تھیں:

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔'' (القرآن 96:1-2)

عربی لفظ ''علق'' کے معانی ہیں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کے۔ اس کے علاوہ یہ ایسی شے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو چمٹ جانے والی ہو۔ جیسے جونک چمٹ جاتی ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور کے علم میں یہ بات اب تک نہیں آئی تھی کہ جنین کی ابتدائی حالت رحم مادر میں جونک سے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے جب انہوں نے نہایت باریک خوردبینوں کی مدد سے رحم مادر میں جنین کی ابتدائی شکل کا معائنہ کیا تو یہ واقعی جونک کی شکل سے ملتا جلتا تھا۔ یوں ڈاکٹر مور کے علم میں یہ بات آئی کہ صدیوں پہلے قرآن پاک میں جینیات سے متعلق جو معلومات درج تھیں وہ دور حاضر کی سائنسی اور تحقیقی دریافت کے عین مطابق تھی۔

ڈاکٹر مور نے قرآن وحدیث میں موجود مواد سے متعلق 80 سوالات کے صحیح صحیح جوابات دیئے اور بڑی حیرت کے ساتھ فرمایا کہ جینیات کے شعبے میں جس قدر بھی سائنسی دریافتیں اب تک ہوئی ہیں وہ سب کی سب قرآن وحدیث سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ انہوں نے مزید کہا:

''اگر تیس برس قبل مجھ سے قرآن وحدیث کے اس مواد سے متعلق کوئی سوالات پوچھے جاتے تو میں شاید ان میں سے نصف کے صحیح

جوابات نہ دے پاتا اس لئے کہ آج سے تیس سال قبل کا سائنسی علم نہایت محدود تھا۔''

1981ء میں سعودی عرب کے شہر دمام میں ساتویں عالمی طبی کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر مور نے قرآن وحدیث کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

''میرے لئے یہ بات بے حد خوشی ومسرت کی ہے کہ میں نے قرآن کے مفاہیم کی سائنسی بنیادوں پر تحقیق کی اور علم جینیات کے حوالے سے اپنی جستجو کو جاری رکھا۔ میں اس بارے میں واضح طور پر یہ کہنا چاہوں گا کہ یقینی طور پر یہ سائنسی معلومات محمد ﷺ تک خدا کے توسط سے پہنچیں کیونکہ یہ سب کچھ صدیوں بعد سائنس دریافت کر سکی۔ میرا پختہ یقین ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر تھے۔''

ڈاکٹر کیتھ مور اس سے قبل ایک کتاب لکھ چکے تھے جس کا نام تھا ''نشوونما پذیر انسان'' (The Developing Human)۔ پھر قرآن پاک سے حاصل کردہ علم کے بعد انہوں نے 1982ء میں اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس میں قابل قدر اضافے کئے گئے تھے۔ یہ وہی کتاب تھی جسے ایک فرد واحد کی بہترین طبی کتاب قرار دیئے جانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ کتاب کو عالمی سطح پر بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور ڈاکٹر مور کو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔ اس کا ترجمہ دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے اور اسے طبی تعلیم کے سال اول کے نصاب میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر جولی سمپسن جو بیلر کالج آف میڈیسن، ہاؤسٹن، امریکا میں شعبہ امراض نسواں کے صدر ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں: ''یہ احادیث جو محمد ﷺ کے فرمودات ہیں ہرگز ہرگز ساتویں صدی کے کسی مصنف کی سائنسی معلومات نہیں ہو سکتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

دین اسلام اور جینیات میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ دین اسلام روایتی سائنسی رویوں میں اپنے الہامی علوم شامل کر کے سائنس کی بہت رہنمائی کر سکتا ہے۔ قرآن ایسے بیانات اور فرمودات کا حاصل ہے جنہیں صدیوں کی علمی تحقیق نے مستند قرار دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن واقعی خدا کی نازل کردہ وحی ہے''۔

31۔ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان سے نکلنے والا قطرہ

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''پھر انسان ذرا یہی دیکھ لے کہ وہ کس شے سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔'' (القرآن 86:5-7)

تولیدی مراحل میں مرد اور عورت کے تولیدی اعضاء یعنی خصیے اور بیضہ دانیاں گردوں کے قریب ریڑھ کی ہڈی اور گیارھویں اور بارھویں پسلی کے درمیان سے بالیدگی اور نشوونما پانا شروع کرتے ہیں۔ پھر یہ نیچے کی جانب بڑھتے ہیں۔ عورت کی بیضہ دانیاں پیڑو (Pelvis) تک آ کر رک جاتی ہیں جبکہ مردانہ خصیے (بچے کی پیدائش سے پہلے ہی) نیچے تک بڑھتے چلے جاتے ہیں اور رانوں کے درمیان خصیہ دانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد بھی جب تولیدی اعضاء کے نیچے اترنے کا عمل مکمل ہو چکا ہوتا ہے تو انہیں ایک بڑی شریان خون فراہم کرتی ہے۔ یہ شریان ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان واقع ہے جب کہ ان اعضاء کا عقبی رابطہ جس نظام سے منسلک ہے وہ بھی اس مقام پر واقع ہے۔ لمفی نکاس (Lumphatic Drainage) اور غیر صاف شدہ خون کا

وریدی بہاؤ بھی یہیں سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

کیا یہ حیرت انگیز حقائق ہمیں دعوت فکر نہیں دے رہے؟

32۔ نُطفہ...... مائع کا خفیف قطرہ

قرآن پاک میں کم از کم گیارہ مقامات پر فرمان خداوندی ہے کہ انسان کی تخلیق ''نطفے'' سے ہوئی۔ نطفہ سے مراد مائع کی نہایت خفیف سی مقدار یا قطرہ ہے جو پیالے کو خالی کرنے کے بعد بھی کہیں تھوڑا بہت بچ رہتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ پیالہ خالی ہو جانے پر بھی یہ کہیں لگا رہ جاتا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے مثلاً اسی آیت کو لے لیجئے:

''لوگو! اگر تمہیں بعد موت زندگی کے بارے میں کوئی شک ہے تو جان لو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ یہ ہم تم پر واضح کئے دیتے ہیں۔'' (القرآن 22:5)

''پھر بنا کر رکھا ہم نے اس کو ایک نطفہ ایک محفوظ (رحم مادر) میں۔'' (القرآن 23:13)

اس کا ذکر قرآن پاک کی درج ذیل آیات میں بھی آیا ہے:

16:4، 18:37، 35:11، 36:77، 40:67، 53:46، 35:37، 76:2 اور 80:19

حالیہ سائنسی دریافت سے یہ تصدیق ہوئی ہے کہ عورت کے بیضہ کو بارآور کرنے کے لئے یا حمل ٹھہرانے کی خاطر تین لاکھ مردانہ جرثوموں میں سے ایک ہی کافی ہوتا ہے یعنی

خارج شدہ جرثوموں میں سے تین لاکھواں حصہ یا0.00003% حصہ بارآوری کے عمل کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔

33۔سُلٰلَۃ ...... مائع کا جوہر

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''پھر چلائی اس کی نسل حقیر پانی کے جوہر (ست) سے۔''

(القرآن32:8)

عربی لفظ ''سلٰلۃ'' کا مطلب ہے جوہر یا کسی شے کا ''ست'' یا کسی مکمل شے کا بہترین حصہ۔ہم نے دیکھا کہ مرد کے خارج شدہ لاکھوں جرثوموں میں سے بارآوری کے عمل کی تکمیل کے لئے یعنی حاملہ کرنے کے لئے ایک جرثومہ کافی ہے اس ایک جرثومے کو قرآن نے ''سلٰلۃ'' کہا ہے۔ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے جرثوموں میں سے صرف ایک بارآور ہوتا ہے۔قرآن اسے بھی ''سلٰلۃ'' یعنی جوہر یا ''ست'' کہتا ہے۔اس لفظ کے ایک معنی کسی مائع سے اس کا جوہر یا ''ست'' نہیں سلیقے سے الگ کرنا بھی ہیں۔اس سے مراد مرد اور عورت دونوں کا مادۂ تولید ہے۔بارآوری کے عمل کے دوران مردانہ اور زنانہ دونوں تخم ریزے اپنے اپنے ماحول سے نہایت سلیقے سے الگ کر لئے جاتے ہیں۔

34۔نطفہ امشاج......مخلوط مائعات

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''بلاشبہ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے بنایا۔'' (القرآن 2:76)

عربی زبان میں ''نطفہ امشاج'' سے مراد مخلوط مائعات ہیں۔بعض مفسرین قرآن کے خیال میں ''مخلوط مائعات'' سے مراد مرد اور عورت کا مادۂ تولید ہے۔مرد اور عورت کے تخم ریزوں کے باہم مل جانے سے جو ''جفتہ'' بنتا ہے وہ دراصل نطفہ ہی ہوتا ہے۔اس کے علاوہ نطفہ امشاج سے مراد وہ مردانہ مادۂ تولید بھی ہوسکتا ہے جو مختلف غدودوں سے خارج شدہ رطوبتوں سے وجود میں آتا ہے۔

چنانچہ مخلوط مائعات کا ایک چھوٹا سا قطرہ یعنی نطفہ امشاج ایسا مائع ہوتا ہے جس میں مرد اور عورت کے تخم ریزے اور ارد گرد کے کچھ اور مائعات جمع ہو چکے ہوں۔

35۔رحم مادر میں لڑکی ہے یا لڑکا؟

رحم مادر میں جنس کا تعین مرد کے تولیدی خلیے سے ہوتا ہے نہ کہ عورت کے بیضے سے۔لڑکی یا لڑکے کا تعین اس بات پر منحصر ہوگا کہ لونی جسموں (کروموسومز) کا 23واں جوڑا بالترتیب (xxیاxy) ایک ایکس یا ایکس وائی ہے۔ایکس ایکس کی صورت میں لڑکی اور ایکس وائی کی صورت میں لڑکا ہوگا۔

قرآن پاک میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

''اور اس نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ایک بوند سے جو ٹپکائی جاتی ہے۔''(القرآن53:45-46)

عربی میں لفظ ''نطفہ'' کا مطلب ہے مائع کی ذرا سی مقدار اور ''تمنیٰ'' سے مراد ہے طاقت کے ساتھ اخراج یا زور سے کسی شے کو کسی جگہ جمانا۔اس لئے یہاں لفظ ''نطفہ'' سے مراد مردانہ مادۂ تولید ہے جس کا اخراج زور سے ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''کیا وہ حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ لوتھڑا بنا۔ پھر اللہ نے اسے جسم کی متناسب شکل دی پھر اس سے مرد اور عورت کی قسمیں ٹھہرائیں۔'' (القرآن 39-37:75)

یہاں بھی انتہائی معمولی مقدار کے مادۂ تولید (ایک قطرہ) کا ذکر آیا ہے۔ اس کے لئے ''نطفہ من منی یمنی'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ یقیناً مرد ہی کا مادۂ تولید ہوتا ہے جس سے رحم مادر میں لڑکی یا لڑکے کا تعین ہوتا ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں اکثر ساس کو پوتے یا نرینہ اولاد کی آرزو ہوتی ہے۔ اگر بہو بیٹی کو جنم دے دے تو سارا الزام اس غریب پر آتا ہے کہ بیٹے کو جنم کیوں نہیں دیا۔ ایسی ساس کو علم ہونا چاہیئے کہ لڑکی یا لڑکے کی پیدائش کی ذمہ داری تو مرد پر آتی ہے۔ اس لئے کہ مرد ہی کے نطفے سے بچے کی جنس کا تعین ہوتا ہے اگر الزام آنا ہی ہے تو مرد پر آنا چاہیے نہ کہ عورت پر۔ قرآن اور سائنس دونوں کا یہ مشترکہ فیصلہ ہے کہ بچے کی جنس مرد کے نطفے سے متعین ہوتی ہے۔

36۔ بطن مادر میں تین تاریک پردوں میں ڈھکا جنین

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نر اور مادہ پیدا کئے اور وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین

تین تاریک پردوں میں تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں پھر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو۔'' (القرآن 6:39)

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کی رائے میں قرآن پاک میں جن تین تاریک پردوں کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

1۔ بطن مادر کی اندرونی دیوار

2 شکم مادر کی دیوار

3۔ غلافِ جنین

37۔ جنین کے مراحل

قرآن پاک میں جنین کے مراحل کا ذکر یوں آیا ہے:

''یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا۔ پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں۔ پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا۔ پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔'' (القرآن 14-12:23)

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ انسان مائع کی ایک چھوٹی سی بوند سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پہلے جائے قرار میں رکھا گیا تا کہ وہ وہاں مضبوطی سے چمٹ

جائے یا ٹھہر جائے۔ اس کے لئے عربی زبان میں ''قرار مکین'' کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ رحم مادر کو ''عقبی جانب سے ایک مضبوط تحفظ ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں حاصل ہے۔ اسے کمر کے اعصاب مزید تقویت بخش تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ یہ جنین ایک مائع کے اندر تیرتا رہتا ہے یوں جنین کو ایک بہت محفوظ مقام قرار مل جاتا ہے۔

مائع کی یہ بوند بھر مقدار ''علقہ'' کی صورت میں چمٹ جانے کا مفہوم دیتی ہے اس کا ایک مطلب چمٹ جانے والی جونک کا بھی ہے۔ یہ دونوں توضیحات سائنسی لحاظ سے مسلمہ اور مصدقہ ہیں۔ ابتدائی مرحلے میں جنین ایک دیوار سے چمٹ جاتا ہے اور جونک سے مشابہ ہوتا ہے یہ خون ماں کے بدن سے جفت جنین کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔

''علقہ'' کے تیسرے معنی ہیں ''جما ہوا خون''۔ حمل کے تیسرے اور چوتھے ہفتے یہ خون لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ خون کی نالیوں کے بیچ ٹھہرا رہتا ہے۔ یوں جنین جمے ہوئے خون کے علاوہ جونک کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ آیئے ہم قرآنی علم کے ساتھ انسان کی کئی سو سال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے ہیں۔

یہ 1667ء کی بات ہے جب ہام اور لیووف ہاک نے جو عظیم سائنسدان تھے۔ خوردبین کی مدد سے مردانہ خلیات کا مشاہدہ کر کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ انسانی خلیہ افزائش نسل میں ایک ننھا منا سا انسان موجود ہے جو بعد میں رحم مادر میں نشوونما پا کر ایک نوزائیدہ بچے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس نظریے کو ''نظریہ چھدائی'' (پرفوریشن تھیوری) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جب سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا کہ مادہ بیضہ مردانہ مادۂ تولید سے حجم میں بڑا ہوتا ہے تو مشہور سائنسدان ڈی گریف اور ان کے معاصرین نے اس نکتۂ نظر کا اظہار کیا کہ ''ننھا منا سا انسان'' دراصل بیضۂ مادہ میں موجود ہوتا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے سائنسدانوں نے یہ تصور پیش کیا کہ بچہ ماں اور باپ دونوں کی مشترکہ میراث ہوتا ہے اور ان دونوں کے تولیدی خلیوں کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔

بعد ازاں ''علقہ'' مکمل طور پر ''مضغۃ'' میں ڈھل جاتا ہے جس کا مطلب ہے کوئی ایسی شے جسے چبایا جائے اور اس پر دانتوں کے نشان پڑ جائیں اس سے مراد وہ چھوٹی سی شے بھی ہے جو لیس دار ہو اور چیونگم کی طرح جسے منہ میں رکھا جا سکے۔ یہ دونوں تشریحات سائنسی اعتبار سے درست ہیں۔

پروفیسر کیتھ مور نے پلاسٹر سیل کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جنین کی مرحلہ اول والی شکل میں ڈھالا اور اسے دانتوں کے درمیان رکھ کر چبایا تو اس کی شکل ''مضغۃ'' والی بن گئی۔ پھر کیتھ مور نے اس کا موازنہ جنین کی ابتدائی شکل والی تصاویر سے کیا۔ دانتوں کے نشانات ریڑھ کی ہڈی کی ابتدائی شکل وصورت کے آثار سے مماثل تھے۔ ''مضغۃ'' نشوونما پا چکنے کے بعد ہڈیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان ہڈیوں پر پھر گوشت یا اعصاب کی تہ چڑھ جاتی ہے پھر خالق کائنات اسے ایک اور مخلوق کی شکل میں ڈھال دیتا ہے۔

پروفیسر مارشل جانسن کا شمار امریکہ کے معروف سائنسدانوں میں ہوتا ہے وہ فلاڈلفیا (امریکا) کی تھامس جیفرسن یونیورسٹی میں ڈینئل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر اور شعبہ علم الافعال الاعضاء کے سربراہ بھی ہیں۔ ان سے جب تخلیق و پیدائش انسان کے متعلق قرآنی آیات پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو پہلے تو پروفیسر مارشل نے کہا کہ جنین کے مختلف مراحل پر مبنی قرآنی آیات ہرگز ''اتفاق محض'' نہیں ہو سکتیں۔ مگر پھر کہنے لگے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ محمد ﷺ کے پاس خوردبین ہو ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن پاک 1400 برس قبل نازل ہوا تھا اور خوردبین تو نزول قرآن کے کئی سو سال بعد تک ایجاد نہ ہوئی تھی۔ اس پر وہ مسکرائے اور کہا: اول اول جو خوردبین ایجاد ہوئی تھی وہ تو چیزوں کو زیادہ سے زیادہ دس گنا بڑا کر کے دکھا سکتی تھی اور وہ واضح اور صحیح تصویر پیش ہی نہ کر سکتی تھی۔ پروفیسر مارشل جانسن پھر یوں گویا ہوئے:

"مجھے اس تصور سے اختلاف کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جب محمد ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو کوئی نہ کوئی الہامی قوت ضرور درمیان موجود ہوتی ہوگی۔"

ڈاکٹر کیتھ مور کے خیال میں جنین کے نشوونما کے مراحل کی جدید درجہ بندی اگرچہ دنیا بھر میں اختیار کی گئی ہے مگر یہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مختلف درجوں کو عددی پیمانوں سے شناخت کرتی ہے۔ جیسے پہلا درجہ، دوسرا درجہ، تیسرا درجہ وغیرہ۔ اس کے برعکس قرآن پاک جنین کی جدا جدا ساخت اور اشکال کے ذریعے جو وضاحت کرتا ہے اس سے اس کی تفہیم بہت آسان ہوجاتی ہے۔ یہ بچے کی پیدائش سے قبل کے تمام مراحل کی جزیات سائنسی حوالے سے مصدقہ اشکال کی جس طرح وضاحت کرتی ہیں وہ قابل فہم اور قابل عمل ہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات میں جینیاتی مراحل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

"کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟ پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہوگیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا۔ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔" (القرآن 30-37:75)

38۔ جزوی شکل والا جنین اور جزوی شکل کے بغیر

اگر جنین کو "مضغۃ" کے مرحلے میں درمیان سے کاٹا جائے تو معلوم ہوگا کہ نشوونما کے اس مرحلے میں بہت سے اعضاء مکمل شکل اختیار کر چکے ہیں جبکہ باقی ابھی نیم مکمل ہیں۔ پروفیسر جانسن کی رائے میں اگر ہم جنین کی شکل یا ساخت کی وضاحت کریں تو ہم

صرف ان حصوں کا ذکر کریں گے جو تکمیل پا چکے ہیں یعنی یہ اعضاء مکمل شکل اختیار کر چکے ہیں اور اگر ہم جنین کو اس مرحلے پر نامکمل تخلیق کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس کے نامکمل حصوں کا ذکر کر رہے ہیں پس کیا یہ مکمل تخلیق ہوگی یا نامکمل؟ جنین کی اس مرحلے میں ساخت کی قرآن پاک سے بہتر کہیں اور وضاحت نہیں کی گئی۔ اسے قرآن نے "جزوی شکل والا اور جزوی شکل کے بغیر" یعنی مکمل تخلیق اور نامکمل تخلیق کہا ہے۔

اس حوالے سے درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

"لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں......" (القرآن 5:22)

سائنسی طور پر ہم جانتے ہیں کہ جنین کی نشوونما کے اس ابتدائی درجے میں کچھ خلیات الگ اپنی مخصوص شکل حاصل کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے خلیات ابھی اپنی کسی خاص شکل میں نہیں آئے ہوتے۔ گویا کچھ اعضاء ایک خاص شکل میں ڈھل چکے ہوتے ہیں اور کچھ ابھی اس مرحلے میں نہیں پہنچے ہوتے اور جزوی یا نامکمل شکل اختیار کی ہوتی ہے۔

39۔ حس سماعت اور حس بصارت

ایک انسانی جنین میں سب سے پہلی جو حس تخلیق پاتی ہے وہ حس سماعت یا سننے کی حس ہوتی ہے۔ رحم مادر میں بچے کا جنین 24 ہفتوں کے بعد آوازیں سن سکتا ہے اور پردہ چشم روشنی کو محسوس کر سکتا ہے۔ قرآن پاک اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

''پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے، تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو۔'' (القرآن 9:32)

ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے خلق کیا پھر اسے بنایا سنتا دیکھتا۔'' (القرآن 2:76)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایک اور جگہ یوں فرماتا ہے:

''وہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔'' (القرآن 78:23)

درج بالا تمام آیات میں حس سماعت کا ذکر حس بصارت سے پہلے کیا گیا ہے۔ جدید سائنس نے بھی یہی دریافت کیا ہے کہ انسانی تخلیق میں پہلے سننے کا مرحلہ آتا ہے پھر دیکھنے کا۔ جدید جینیات کے حوالے سے قرآنی ذکر سائنسی دریافتوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

40۔ عمومی سائنس......انگلیوں کی پور پور ٹھیک اور درست

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے۔ کیوں نہیں ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔'' (القرآن 4-3:75)

منکرین قیامت کے روز تمام انسانوں کے زندہ کئے جانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ جب مرنے والوں کی ہڈیاں پیوند خاک ہو چکی ہوں گی تو انہیں پھر کیسے زندہ کیا جائے گا اور ان کی شناخت کیسے ممکن ہوگی۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ وہ نہ صرف پیوند خاک ہڈیوں کو اکٹھا کرنے پر قادر ہے بلکہ ہمیں ازسرنو زندہ کر کے ہماری انگلیوں کے پور پور کو دوبارہ پہلی شکل میں لانے کی قوت رکھتا ہے۔ آج سے 1400 برس قبل کسے معلوم تھا کہ ہر انسان کی انگلیوں پر بنائے گئے نشانات کیا ہیں؟ یہ کس طرح بے مثال ہیں اور ہر انسان کی انگلیوں کے نشانات دوسرے انسان کی انگلیوں کے نشانات سے مختلف ہیں۔ یہ کہیں بھی دو انسانوں کے یکساں نہیں ہوتے یقیناً یہ اسی خالق کائنات کا کام ہے۔ کوئی دوسرا کاریگر پیدا ہی نہیں ہوا جو یہ کام کر سکتا۔

41۔ جلد میں درد کو محسوس کرنے والی حس

ماضی میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ درد کو محسوس کرنے کا کام دماغ کرتا ہے مگر دور حاضر کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ انسانی جلد میں درد محسوس کرنے کی حس ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کو درد کا احساس نہ ہوتا۔

جب کوئی ڈاکٹر کسی جل جانے والے مریض کا معائنہ کرتا ہے تو وہ جلے ہوئے مقام پر سوئی چبھو کر جلن کی شدت کا اندازہ لگاتا ہے۔

اگر سوئی چبھنے سے متاثرہ فرد کو درد اور تکلیف کا احساس ہو تو ڈاکٹر کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ مریض کی صرف بیرونی جلد ہی جلی ہے اور درد محسوس کرنے والے خلیات کو نقصان نہیں پہنچا۔ اگر اس کے برعکس جل جانے والا شخص سوئی کی چبھن پر درد محسوس نہ کرے تو یہ بری علامت تصور ہوتی ہے۔ اس صورت میں جلد اندر تک جل گئی ہوتی ہے جس

سے خلیات بھی جل چکے ہوتے ہیں۔ان میں ایسی حالت میں درد محسوس کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

جلد کے اندر درد محسوس کرنے والے اس نظام کے بارے میں قرآن پاک نے یوں وضاحت کی ہے:

''جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کر دیا ہے انہیں ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو دوسری کھال اس کی جگہ پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔اللہ قدرت والا اور حکمت والا ہے۔''(القرآن 56:4)

پروفیسر تیگاتت تجاسن چیانگ مائے یونیورسٹی تھائی لینڈ میں صدر، شعبہ علم الافعال الاعضاء ہیں۔انہوں نے درد کو محسوس کرنے والے جلد کے نظام پر طویل تحقیق کی ہے۔پہلے تو انہیں یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ 1400 برس قبل قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں یہ تصدیق ہو چکی ہے کہ درد کو جلد محسوس کرتی ہے جب انہیں یہ آیت مبارکہ سنائی گئی اور اس کا ترجمہ بتایا گیا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ریاض (سعودی عرب) میں ''قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں سائنسی حقائق'' کے موضوع پر منعقدہ طبی کانفرنس میں تشریف لے جانے پر بہت بڑے اجتماع میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

42۔حاصل گفتگو

سائنسی حقائق کے قرآن پاک میں ذکر کو محض حسن اتفاق کہنا عقل کے خلاف اور حقیقی سائنسی طرز فکر کے خلاف ہوگا۔

بیشک قرآنی آیات کی سائنسی درستگی قرآن پاک کے واضح اعلان کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''عنقریب ان کو ہم اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر شے پر نگاہ رکھتا ہے۔'' (القرآن 53:41)

قرآن پاک درج ذیل آیت میں تمام بنی نوع انسان کو تخلیق کائنات میں غور وفکر کرنے کی کھلی دعوت دیتا ہے:

''زمین اور آسمان کی پیدائش میں رات دن کے ادل بدل میں ہوشمندوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔''(القرآن 190:3)

قرآن پاک میں موجود سائنسی شواہد اور علم ثابت کرتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔آج سے 1400 برس قبل کوئی انسان ایسی کتاب لکھ ہی نہیں سکتا تھا جس میں ایسی صداقت والی سائنسی باتیں موجود ہوں تاہم قرآن کوئی سائنسی کتاب نہیں، اس میں تو آیات ہیں، نشانیاں ہیں یہ آیات انسان کو دعوت فکر دیتی ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنے مقصد حیات کو پہچانے اور فطرت سے ہم آہنگ ہو کر زندگی بسر کرے۔قرآن اللہ کا سچا پیغام ہے اس اللہ کا جو خالق کائنات اور پرورش کرنے والا ہے جو اپنے اندر ابدی سچائیاں سمیٹے ہوئے ہے۔یہ ایک اللہ کا، واحد لاشریک کا پیغام ہے جس کی تبلیغ تمام پیغمبروں نے کی۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ تک۔

قرآن اور جدید سائنس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس سلسلے میں مزید تحقیق جاری ہے۔ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب مزید تحقیق بنی نوع انسان کو کلمۃ اللہ کے قریب لے

آئے گی۔ اس کتاب میں چند سائنسی حقائق کو پیش کیا گیا ہے جو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ مجھے یہ دعویٰ بالکل نہیں کرنا کہ میں نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر اس موضوع سے پورا انصاف کیا ہے۔

پروفیسر یتجاسن نے تو صرف ایک قرآنی آیت کے مصدقہ سائنسی سچائی ہونے پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ کچھ لوگوں کو یقین دلانے کے لئے ممکن ہے دس شہادتیں کافی ہوں، بعض کو 100 اور وہ ایمان لے آئیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ 1000 شہادتوں کے بعد بھی کچھ کے دل موم نہ ہوں۔ قرآن میں ایسے کوتاہ نظر بند ذہنیت کے حامل افراد کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اور یہ نہ لوٹیں گے (اپنے رب کی راہ پر)'' (القرآن 18:2)

قرآن پاک میں ایک فرد اور پورے معاشرے کے لئے مکمل ضابطۂ حیات دے دیا گیا ہے۔ انسان نے محض اپنی جہالت کی وجہ سے آج کئی نظریات تخلیق کر لیے ہیں لیکن قرآن جو نظریۂ حیات پیش کرتا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔ خالق کائنات سے بہتر رہنمائی دینے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

میں اپنے اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ میری اس عاجزانہ کوشش کو قبول فرمالے۔ میں اس سے اس کے رحم و کرم اور رہنمائی کو بصد عجز و نیاز مانگ رہا ہوں...... اور مجھے یقین ہے کہ وہ مہربانی فرمائے گا۔

مکالمہ

''قرآن اور جدید سائنس'' (دونوں میں موزونیت ہے یا تضاد؟) کے موضوع پر سوالات و جوابات۔

سوال: السلام علیکم! میرا نام کوثر شیخ ہے اور میں دارالقرآن کویت سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں ان دنوں عربی کی معلّمہ ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ ایک دن اللہ کے ہزار سالوں کے برابر ہے۔ ایک دوسری جگہ ایک دن پچاس ہزار برس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیا قرآن پاک اپنی ہی تردید نہیں کر رہا؟ از راہ کرم وضاحت فرما دیں۔

جواب: (ڈاکٹر ذاکر نائیک) میری بہن نے سوال کیا ہے کہ ایک جگہ قرآن پاک میں ایک دن اللہ کے ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری جگہ پچاس ہزار برس سے تعبیر کیا گیا ہے تو کیا یہ قرآن حکیم میں خود تردیدی نہیں۔ بہن کا یہ سوال جس قرآنی سورۃ سے مربوط ہے وہ سورہ حج کی آیت :47 ہے۔

''اور اللہ کے نزدیک ایک دن درحقیقت تمہارے حساب کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔'' (القرآن 47:22)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''ایک ایسے دن میں کہ ہے جو مقدار میں تمہارے شمار سے ایک ہزار سال۔'' (القرآن 32:5)

پھر 4:70 میں فرمایا:

''فرشتے اور روح اس کے حضور چڑھ جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جو مقدار میں 50 ہزار برس کے برابر ہے۔'' (القرآن 4:70)

میری بہن! ان آیات میں قرآن حکیم جس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں وقت کا تعین زمینی یا دنیاوی پیمانہ وقت سے کیا ہی نہیں جا سکتا یعنی اس دنیا میں گزرنے والا وقت خواہ ایک ہزار برس ہو یا پچاس ہزار خالق کائنات کے ہاں محض ایک دن ہی شمار ہوگا یا محض ایک لمحہ۔ یہ دراصل ایک اشارہ ہے کہ ہمارا وقت اللہ کے ہاں موازنے میں بہت مختصر سا ہے۔

اس کے باوجود میری بہن اگر ان آیات کے لفظی معانی پر اصرار کریں تو میں اس کی وضاحت کر سکتا ہوں۔ یہاں عربی لفظ ''یوم'' استعمال ہوا ہے۔ اس کے دو معانی ہیں۔ ''دن'' یا ''عہد یا زمانہ''۔ اور اگر ہم سورۃ السجدہ کی پانچویں آیت کا مطالعہ کریں تو ارشاد ہوتا ہے:

''وہ تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک کے سب معاملات کی پھر پہنچتی ہے (روداد اس تدبیر کی) اس کے حضور ایک ایسے دن میں جو تمہارے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال کی مقدار کے برابر ہے۔'' (القرآن 5:32)

اگر ''یوم'' کا ترجمہ زمانہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا ہی زمین و آسمان کا منتظم اعلیٰ

ہے اور زمین و آسمان کی تمام سرگرمیاں ہمارے حساب سے اگر ایک ہزار برس پر محیط ہیں تو اس کے لئے یہ محض ایک دن ہے''

سورۃ المعارج کی آیت :5 کے مطابق

''فرشتے اور روح چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔'' (القرآن 5:70)

قرآن پاک دو طرح کے زمانوں کی بات کر رہا ہے۔ اس لئے یہ خود تردیدی نہیں ہے مثلاً میں کہوں کہ میں کسی مقام پر ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا تو میں ایسا کرنے کے لئے ایک گھنٹے کا ہی پابند ہوں اور جب کہوں کہ اس سے آگے فلاں مقام تک میں پچاس برس میں پہنچوں گا تو یہ خود تردیدی نہیں کیونکہ میں نے مختلف ''مدتوں'' اور عرصے کی بات کی ہے۔ اسی طرح جب قرآن نے کہا کہ فرشتے اور روح آسمانوں کے عروج تک 50 برس میں پہنچتے ہیں جبکہ آپ ہی کے اس دنیا کے تمام معاملات کا اللہ کی طرف لوٹایا جانا ایک ہزار برس میں واقع ہوتا ہے تو یہ بالکل خود تردیدی نہیں ہے امید ہے میرے جواب سے میری بہن کی تسلی ہوگئی ہوگی۔

سوال: السلام علیکم! مجھے شاکر کہتے ہیں میں میکینکل انجینئرنگ کر رہا ہوں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ سائنسی طور پر خدا کی موجودگی کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ اور وہ بھی اس طرح کہ اللہ کا منکر قائل ہو جائے۔

جواب: شاکر بھائی نے پوچھا ہے کہ سائنس کے ذریعے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ میں سب سے پہلے تو خدا کے منکر اور اس ملحد کو مبارکباد پیش کروں گا۔ جی

ہاں! مبارکباد اس لئے کہ اگر ہم اپنے اردگرد کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ ایک ہندو اس لئے ہندو ہوتا ہے کیونکہ اس کا باپ ہندو تھا، عیسائی اس لئے عیسائی بنا کہ اس کا باپ عیسائی تھا، مسلمان کو میراث میں اسلام مل گیا اور وہ مسلمان کہلایا۔ مگر ''ملحد'' ایک مذہبی پس منظر کی موجودگی میں بھی ان جھوٹے خداؤں پر ایمان نہیں لایا جن کی پوجا پاٹ اس کے والدین کرتے چلے آرہے تھے۔ میں اسے اس لئے مبارکباد کہہ رہا ہوں کہ اس نے کلمۂ شہادت کا ابتدائی حصہ تو تسلیم کرلیا۔ جو اسلامی عقیدے کا بڑا جزو ہے یعنی ''لا الہ'' (سوا اللہ کے) کا ثبوت پیش کروں۔ خدا کا صحیح تصور پیش کرنے کے لئے مجھے سب سے پہلے جھوٹے خداؤں کا تصور مٹانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر میں سچے خدائے واحدہٗ لاشریک کا تصور بتا سکتا ہوں۔ یہاں میری آدھی محنت بچ گئی۔ اس ملحد اور منکر خدا نے خود تسلیم کرلیا ''کوئی خدا نہیں (لا الہ'') مجھے تو صرف الا اللہ ثابت کرنا ہے اور میں اسے انشاء اللہ ثابت کروں گا۔

اس ملحد سے سوال کیجئے فرض کریں کوئی ایسی شے ہو مثلاً اڑنے والی جس کو نہ کسی نے پہلے دیکھا ہو نہ کوئی اس دنیا میں اس سے واقف ہوا سے جب آپ کے سامنے لایا جائے گا تو کون ہوگا جو اس اجنبی شے کے متعلق کوئی دعویٰ کرسکے کہ یہ ایسی ہے اس میں فلاں میکنزم ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ ملحد جواب دے گا یہ تو وہی انسان بتا سکے گا جس نے اس اجنبی شے کو بنایا ہے تخلیق کیا ہے کچھ ملحدین صانع یا کاریگر وغیرہ کے الفاظ استعمال کریں گے۔ کسی بحث میں جائے بغیر یہ تسلیم کرلیا جائے گا کہ کسی نے اس شے کو بنایا ہے۔ جب اس ملحد سے پوچھا جائے گا کہ اس شے کو یہ شکل وصورت کسی نے دی؟ وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کہے گا ''بگ بینگ (انفجار کبیر)'' کے ذریعے یہ وجود میں آئی ہوگی۔ آپ اسے بتایئے کہ قرآن پاک کی سورۃ الانبیاء کی آیت: 30 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے
پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر جدا جدا کردیا۔'' (القرآن 30:21)

اگر آپ اس ملحد سے کہیں کہ یہی بگ بینگ تو 1400 برس قبل قرآن پاک میں مذکور ہے تو وہ شاید یہ کہے کہ یہ محض حسن اتفاق ہے۔ اس سے کہیں کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ چاند کی چاندنی وہ روشنی ہے جو مستعار لیتا ہے سورج سے یہ منعکس شدہ روشنی ہے اس کی اپنی روشنی نہیں ہمیں حال ہی میں سائنس نے اس بارے میں بتایا ہے۔ ملحد کہے گا ہاں ہاں ایسا ہی ہے۔ اب اسے آگاہ کیجئے کہ قرآن میں تو 1400 برس قبل چاند کی روشنی مستعار کا ذکر آ گیا تھا۔ ممکن ہے ایسا بھی محض اتفاق سے ہوگیا ہو۔ تکرار اور بغیر کسی بحث کے آپ اطمینان سے آگے بڑھیئے اور ملحد سے کہیئے سورج کو قدیم دور میں ساکن سمجھا جاتا تھا مگر وہ تو سائنس نے ثابت کردیا کہ ساکن نہیں بلکہ اپنے محور کے گرد گھومتا ہے۔ ملحد سے کہیئے یہ بات بھی قرآن نے 1400 سال قبل بتادی تھی کہ سورج گردش کرتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے ''قرآن کسی ذہین انسان نے لکھا ہوگا''۔ اب اس سے آپ سوال کیجئے کہ کائنات کے آغاز میں یہ ''Celestial Matter'' یعنی کونیاتی مادہ کس شکل میں تھا۔ وہ جواب دے گا ''دھوئیں کی شکل میں''۔ اس سے اگلا سوال یہ کریں یہ کیسے معلوم ہوا وہ کہے گا اس کے شواہد سائنس نے پیش کئے ہیں۔ آپ اب یہ حقیقت اس کے گوش گزار کرڈالیئے کہ 1400 برس قبل قرآن نے یہی بتایا تھا۔ پھر اس سے آبی چکر کے بارے میں سائنسی تحقیق کا زمانہ پوچھیے اور قرآن میں 1400 برس قبل اس کے ذکر کے بارے میں بتائیں۔ سائنسی حقائق کو آگے بڑھاتے جایئے اور ملحد سے سوال کرتے جائیں۔ پھر اس سے ''نظریہ امکان'' (Theory of Probablity) کے بارے میں پوچھیں اور سوال اس سے یہ کریں کہ زمین کی شکل کے امکانات کیا ہوں گے بیضوی، گول یا چپٹی یا مستطیل وغیرہ۔ یہ امکانات دس ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح ہوگا۔ اسی طرح چاند کی روشنی کے مستعار ہونے کے بارے میں دو امکانات میں سے ایک یعنی 1/2 یا 50% ہوں گے۔

جاندار مخلوق کیسے وجود میں آئی ہوں گی؟ کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں ریت، پتھر، ایلومینم،

سونے چاندی سے۔غرض ہزار قسم کے مفروضے سامنے آ سکتے ہیں۔ یہ امکانات کہ آپ کا اندازہ صحیح نکلے ریاضیات کی رو سے 1/1000 قرار پاتا ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ آپ کے تینوں قیاسات صحیح ہی ہوں یعنی زمین بیضوی شکل کی ہو، چاند کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہو اور ہر جاندار پانی ہی سے بنا ہو تو بیک وقت ان کے صحیح ہونے کے امکانات:

''1/10 x 1/2 x 1/1000 یعنی 1/20,000 ہوں گے دوسرے لفظوں میں 0.005 فیصد امکانات ہوں گے۔قرآن پاک 1000 سے زائد آیات مبارکہ میں ٹھوس سائنسی حقائق بیان کرتا ہے۔ اگر تین آیات کے لحاظ سے درستگی کے امکانات 0.005 فیصد ہوئے تو ریاضیاتی علم امکان کی رو سے تمام امکانات صفر ہو جاتے ہیں یعنی ان کی وقعت کالعدم ٹھہرتی ہے۔اور ریاضی کے مطابق جو عدد بھی 50 1 (یا 1 کی قوت 50 کے برابر) ہو وہ صفر کے مساوی ہوتا ہے۔

اب آپ اگر اپنے ملحد دوست سے سوال کریں گے کہ یہ سب کچھ کس نے رکھا ہوگا؟ تو وہ صرف ایک ہی جواب دے پائے گا ''خالق نے The Creator نے''

جدید سائنس یہ کہتی ہے کہ وہ خدا کی نفی نہیں کرتی بلکہ وہ تو نمونۂ خداوندی (Models of God) کی نفی کرتی ہے۔امید ہے آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

سوال: میرا نام جاوید ہے میں ایک طالبعلم ہوں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک میں ایک جگہ تو یہ کہا گیا ہے کہ انسان جرثومہ حیات سے تخلیق کیا گیا مگر پھر دوسری جگہ کہا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ جرثومے والی بات کو تو سائنس تسلیم کرتی ہے مگر میرے خیال میں مٹی

والی بات کو نہیں مانتی۔کیا یہ اختلاف نہیں بن جاتا؟ یا یہ جدید سائنس کے نظریے کے مطابق ہے؟

جواب: بھائی نے پوچھا ہے کہ قرآن ایک طرف تو کہتا ہے کہ انسان جرثومے (SPERM) سے پیدا کیا گیا جو سائنسی نظریے کے عین مطابق ہے جبکہ قرآن پاک میں ایک دوسرے مقام پر یہ کہا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے۔کیا یہ خود تردیدی نہیں۔

بیشک قرآن پاک کی سورۃ القیامہ کی آیات مبارکہ:37-39 میں ارشاد باری تعالی ہوا کہ انسان کی تخلیق تولیدی مادے سے ہوئی جسے سائنس نے بھی ثابت کیا ہے۔قرآن حکیم کی سورۃ:22 (الحج) کی آیت:5 میں ارشاد ہوا:

''......پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر ایک بوٹی سے۔'' (القرآن 5:22)

دور حاضر کی سائنس اپنی تحقیق میں اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ وہ تمام عناصر ترکیبی جن سے انسان کی تخلیق ہوئی کم و بیش وہ سارے زمین کی مٹی میں پائے جاتے ہیں۔ یوں یہ کہنا کہ انسان مٹی سے بنا، سائنسی طور پر ایک ثابت شدہ امر ہے۔آپ کے سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ قرآن خود تردیدی کا مرتکب نہیں ہو رہا؟ یعنی دو مختلف مقامات پر دو مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔

یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ تردید اسے کہتے ہیں جہاں دو ایسے بیانات دیئے جائیں جو ایک دوسرے کے متضاد ہوں۔فی الحقیقت ان دو میں سے ایک بیان ہی درست ہو سکتا ہے۔قرآن یہی نہیں کہتا کہ انسان جرثومہ تولید سے پیدا ہوا ہے بلکہ وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ انسان پانی سے تخلیق کیا گیا ہے:

''اور وہی ہے جس نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا۔''
(القرآن 54:25)

آپ کہیں گے یہ تو پھر تین تضادات ہو گئے مگر دورِ حاضر کی سائنس میں یہ امر مسلمہ تصور کیا جاتا ہے کہ انسان مٹی، جرثومہ تولید اور پانی سے تخلیق ہوا ہے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں..... میں کہتا ہوں چائے کی ایک پیالی بنانے کے لئے مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ دوسرے بیان میں اگر میں کہوں کہ مجھے چائے کی ایک پیالی بنانے کے لئے چائے کی پتی چاہیے۔ تو یہ میری دونوں باتوں میں تردید نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ میٹھی چائے بنانا چاہوں گا تو ایک تیسری شے ''چینی'' کی بھی ضرورت ہوگی۔

اسی طرح قرآن نے جب کہا کہ انسان کی تخلیق جرثومۂ تولید، مٹی اور پانی سے ہوئی تو یہ ہرگز ہرگز خود تردیدی نہیں۔ ایک اور مثال پیش کرتا ہوں میں کہتا ہوں فلاں شخص ایماندار، مہربان اور محنتی ہے تو اس میں کوئی تردید یا تضاد نہیں پایا جاتا۔ البتہ جب میں یہ کہوں کہ فلاں صاحب سچے ہیں اور ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ یقیناً خود تردیدی ہوگی۔

امید ہے آپ کو تسلی بخش جواب مل گیا ہوگا۔

سوال: السلام علیکم! میں فریدہ انصاری ہوں۔ ایک لیبارٹری میں بطور لیبارٹری ٹیکنیشن کام کرتی ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ قرآن پاک کہتا ہے کہ انسان کا خالق اللہ ہے۔ کیا سائنس بھی اس سے اتفاق کرتی ہے؟

جواب: میری بہن نے پوچھا ہے کہ قرآن پاک کی رو سے انسان کا خالق اللہ ہے۔ کیا سائنس اس سے متفق ہے یا نہیں؟ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس حقیقت کا ذکر ہوا ہے جیسے سورۃ المومنون کی آیت :14 میں ارشاد ہوا ہے:

''اللہ سب سے بہترین خالق ہے.....'' (القرآن 14:23)

کیا ہم سائنسی طور پر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ خالق کائنات ہے؟ اس کا جواب ہمیں قرآن پاک سے مل جاتا ہے۔ سورۃ 52 کی آیت :35 میں ارشاد ہوا۔

''کیا یہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے یا یہ اپنے خالق خود آپ ہیں؟''
(القرآن 35:52)

''خالق'' استعمال ہوا ہے جو ''خلق'' سے مشتق ہے۔ خلق کے چار معانی ہیں۔

(الف) عدم سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال کے جو صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔
(ب) پہلے سے موجود مواد کی مدد سے کچھ نیا تخلیق کرنا مثلاً اینٹ پتھر سے مکان کی تعمیر۔
(ج) منصوبہ بندی، پروگرامنگ یا ترتیب دینا۔
(د) کسی شے کو نک سک سے درست کرنا۔

قرآن حکیم کی سورۃ الطور میں سوال کیا گیا کہ کیا تم عدم محض سے پیدا کئے گئے تھے؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا کہ نہیں، انسان عدم محض سے تخلیق نہیں ہوا۔ دوسرا سوال پوچھا گیا: ''بنانے والے تم تھے کہ ہم؟'' یعنی اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان دوسرے انسان کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کر سکتا تو مرنے والے کو زندہ کر کے بٹھا دیتا۔

قرآن میں اگلا سوال سورۃ الواقعہ میں یوں آیا ہے:

''کیا کبھی غور کیا تم نے کہ جو نطفہ تم ڈالتے ہو کیا تم پیدا کرتے ہو اس سے یا ہم پیدا کرتے ہیں؟'' (القرآن 56:58-59)

بیشک قرآن پاک میں اٹھائے گئے یہ سوالات انسان کو لاجواب کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں انسان اتفاقاً وجود میں آ گیا تھا ڈارون نے اس پر بڑی زور آزمائی کی،

جھوٹ گھڑ گھڑ کے لایا مگر یہ ثابت نہ کر سکا کہ انسان کی تخلیق اتفاقیہ ہوئی ہے اس کا خالق کوئی نہیں۔ دور حاضر کی سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ آدم کی تخلیق اتفاق محض کا نتیجہ نہیں یقیناً کسی نے اس کی منصوبہ بندی کی، اسے تناسب وترتیب سے سجایا (جسے قرآن احسن تقویم کہتا ہے)۔

سوال: قرآن حکیم میں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ آسمان اور زمین کو اللہ نے چھ دنوں میں تخلیق کیا لیکن سورہ حم السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق آٹھ دنوں میں مکمل ہوئی۔ کیا یہ تردید نہیں؟ اسی آیت مبارکہ میں آگے چل کر لکھا ہوا ہے کہ زمین کو چھ دنوں میں اور بعد ازاں آسمان کو دو دنوں میں تخلیق کیا گیا۔ کیا یہ بگ بینگ کے نظریے کی نفی نہیں؟ جس کے مطابق زمین اور آسمانوں کی تخلیق بیک وقت عمل میں آئی؟

جواب: میرے بھائی نے بڑا اہم سوال پوچھا ہے۔ ایک طرف تو قرآن حکیم کہتا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل ہوئی اور پھر سورۃ حم السجدہ میں آٹھ روز بتائے۔ کیا یہ بگ بینگ یعنی ''انفجار کبیر'' کے نظریے کا رد نہیں کیا جا رہا؟ میں اس حد تک تو آپ سے متفق ہوں کہ قرآن پاک میں زمین اور آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل کرنے کا ذکر ہوا ہے۔

''بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں۔'' (القرآن 54:7)

''اسی نے پیدا فرمائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر عرش پر متمکن ہوا۔'' (القرآن 3:10)

''اور وہی تو ہے جس نے آسمان اور زمین کی تخلیق فرمائی چھ دنوں میں'' (القرآن 7:11)

''وہ ذات ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔'' (القرآن 59:25)

''اللہ ہی نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔'' (القرآن 4:32)

''اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں تخلیق کیا۔'' (القرآن 4:57)

درج بالا آیات مبارکہ میں ایک ہی بات کا ذکر ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی۔ دراصل یہ ہمارے زمینی شب وروز کا ذکر نہیں بلکہ یہ طویل دورانیے کے ''ایام'' ہیں۔ سائنس کو تو اس طویل دورانیے پر اعتراض ہی کوئی نہیں ہے۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ سورۃ حم السجدہ میں زمین اور آسمان کی پیدائش کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

''اور (زمین) میں اندازے کے ساتھ خوراک وغیرہ رکھ دی چار دنوں میں جو حاجتمندوں کو کافی ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جب وہ ایک دھواں تھا تو کہا اسے اور زمین کو کہ ہو جاؤ (وجود میں) خوشی یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی اطاعت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ بنائے اس نے سات آسمان 2دن میں۔'' (القرآن 12-10:41)

(شروع میں آیا ہے کہ ’’خلق الارض فی یومین‘‘ جس کا مطلب ہے کہ زمین کو دو دن میں بنایا گیا)

اب سرسری مطالعے سے تو یہی معلوم ہوا کہ دو جمع چار جمع دو آٹھ ہوئے ۔قرآن پاک اس آیت کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے وہ اس آیت پر انگشت نمائی کریں گے۔اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر ہے اسے یہ علم تھا کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اس آیت مبارکہ پر اعتراض کریں گے۔اور یہی مشرکین ہوں گے۔آج عیسائی مبلغین بار بار اسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔میں بیرون ملک جب بھی گیا مجھ سے اس آیت مبارکہ کے حوالے سے ضرور سوالات پوچھے گئے۔آیئے اس آیت کا جائزہ لیتے ہیں۔مذکورہ سورۃ کی پہلی دو آیات: 9-10 تو صاف بتاتی ہیں کہ زمین دو دنوں میں تخلیق ہوئی پھر اس میں پہاڑوں کو جما دیا گیا اور صحیح صحیح تناسب سے ہر شے کی چار دنوں میں پرداخت کی گئی۔یوں زمین دو دنوں میں تخلیق ہوئی بعد ازاں اس میں پہاڑ جما دیئے گئے پھر اس میں مزید دو دن جمع کر دیئے جائیں تو پورے چھ دن بنتے ہیں۔پھر آیت: 11 میں لفظ ’’ثم‘‘ استعمال ہوا ہے۔عربی میں اس لفظ کے تین مختلف معانی ہیں:

1۔ پھر، تب

2۔ مزید براں، یا نیز

3۔ بیک وقت، ساتھ ساتھ یا اسی دورانیے اور وقت کے اندر

اکثر مترجمین نے ’’ثم‘‘ کو ’’تب‘‘ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔جس سے خود تردیدی ہوتی ہے۔’’ثم‘‘ کے یہاں معانی ہیں ’’بیک وقت‘‘ اور یہی صحیح معانی ہیں۔ان معانی سے پتا چلتا ہے کہ دورانیہ تخلیق آٹھ نہیں چھ دن بنتا ہے۔عبداللہ یوسف علی نے قرآن کے ترجمے میں ’’ثم‘‘ کا مطلب ’’مزید‘‘ کیا ہے۔اسے بیک وقت یا مزید کے معانی میں لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ جب زمین اور پہاڑوں کی تخلیق چھ روز میں ہوئی تو اس کے

ساتھ ساتھ دو دنوں میں آسمانوں کو بھی تخلیق کر دیا گیا تھا۔مثال کے طور پر ایک معمار کسی دس منزلہ عمارت کی تعمیر کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس نے اس کے ساتھ ساتھ صحن اور احاطے کی دیوار بھی پورے چھ ماہ میں مکمل کی ہے۔جب کوئی خریدار اس عمارت میں فلیٹ خریدنے جاتا ہے تو معمار کہتا ہے مجھے اس عمارت کے زیریں حصے کو تعمیر کرنے میں دو ماہ کا عرصہ لگا اور دس منزلہ عمارت کی تعمیر میں چار ماہ الگ سے لگ گئے تھے۔وہ کوئی تردید نہیں کر رہا ہوتا کیونکہ اس مکمل دس منزلہ عمارت کی تکمیل میں چھ ماہ ہی لگے ہیں۔’’ثم‘‘ کو جب ہم تب یا پھر کے معانی میں لیں تو سائنسی اعتبار سے ایک اور اشکال پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ زمین تو پہلے معرض وجود میں آ گئی اور پھر پہاڑ بنائے گئے؟

سورۃ البقرہ کی آیت: 29 میں ارشاد ہوا:

’’وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ساتھ ہی ساتھ آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔‘‘

(القرآن 29:2)

اس مقام پر عبداللہ یوسف علی نے ’’ثم‘‘ کا ترجمہ ’’پھر‘‘ کے معنوں میں کر کے غلطی کی ہے۔ان کے ترجمے کے لحاظ سے اللہ نے پہلے زمین کو تخلیق کیا پھر آسمان کو۔اس آیت میں ’’ثم‘‘ کا ترجمہ ’’مزید برآں‘‘ یا ’’ساتھ ساتھ‘‘ ہونا چاہیئے تھا صرف اسی صورت میں نظریہ بگ بینگ یا انفجار کبیر کے مطابق بات بنتی ہے یعنی یہ کہ زمین و آسمان بیک وقت یا ساتھ ساتھ وجود میں آئے۔

قرآن پاک کی سورۃ 21 کی آیت: 30 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

’’کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔‘‘ (القرآن 30:21)

سوال: میں آپ کے علم الحیوانات کے سائنسی حوالے کا بڑا معترف ہوں آپ نے بڑے خوبصورت انداز میں جانوروں میں دوجنسی نظام تولید کی وضاحت کی ہے میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا آپ قرآن پاک کی روشنی میں جانوروں اور پودوں میں تغیر جنس کے قائل ہیں؟ میرا اشارہ اس تغیر جنس کی طرف ہے جو غذائیت اور ماحول کے بدلنے سے ہوتا ہے میرے سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کیا آپ پودوں میں بارآوری کے عمل کے بغیر پھل پھول کی نمو کی توجیہہ کر سکتے ہیں؟ ازراہ کرم قرآنی حوالوں سے جواب دیں۔

جواب: بھائی نے اچھا سوال کیا ہے کہ سائنسی سور پر یہ امر ثابت شدہ ہے کہ کچھ پودے خود میں ''دوجنسی'' رویہ رکھتے ہیں مثلاً اناناس، کیلا، سنگترہ وغیرہ۔ میرے بھائی! آپ کو شاید یاد ہوگا کہ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ وہ پودے بھی جن میں ''دوجنسی'' نظام موجود ہوتا ہے مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جن کو ہم نر اور مادہ کہتے ہیں۔ یہ قرآن پاک نے بھی واضح کیا ہے، رہا سوال بغیر بارآوری کے پھل پھول کی نمو کا تو تجزیے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پھل یا ثمر تو تولید نو یا Reproduction کے نتیجے میں آتا ہے۔ اور یہ اعلیٰ سطح کے پودوں کا حاصل الحصول ہوتا ہے۔ پھل سے قبل شاخوں پر پھول آتے ہیں اور پھولوں میں تذکیر و تانیث دونوں کے حصے موجود ہوتے ہیں۔ جب زردانے آ چکتے ہیں تو ہم پھل حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پھل یا ثمر۔ بیج وغیرہ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ایسے پودوں کے پھل کو بے تخمی پھل یا خود اثماری کہتے ہیں۔ ان میں نر اور مادہ کے امتیازی خصائص موجود ہوتے ہیں۔ سورۃ الرعد میں ارشاد ہوا:

''اور اس نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کئے۔''
(القرآن 13:3)

سوال: ڈاکٹر صاحب! میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ ڈارون تو نوع انسان کے ارتقاء کا قائل ہے اور اس کا کہنا یہ ہے کہ انسان ارتقائی عمل سے گزر کر موجودہ شکل وصورت تک پہنچا ہے۔ کیا یہ اسلامی عقیدے سے متصادم ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ آپ اسلامی عقیدے کو سائنس کے تناظر میں کیسے ثابت کریں گے؟

جواب: یہ سوال بڑا اہم ہے میرا کوئی بھی لیکچر اسلام اور سائنس کے موضوع پر ہو تو وہ اس سوال کے بغیر نامکمل ہوگا۔ میں نے سعودی عرب، کینیڈا اور دیگر کئی ممالک میں جہاں بھی لیکچر دیئے مجھ سے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بارے میں ضرور پوچھا گیا (اس موضوع پر ترک مسلم سکالر ہارون یحییٰ کی کتاب The Evolution Theory - a deceit جو راقم نے نظریۂ ارتقاء......ایک فریب۔ کے نام سے ترجمہ کی تھی اور اسے ادارۂ اسلامیات، لاہور نے شائع کیا تھا ملاحظہ کیجئے کہ اس موضوع پر جامع اور خوبصورت کتاب ہے۔ مترجم) آیئے دیکھتے ہیں کہ چارلس ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اسلام میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ میں نے کم از کم آج تک کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی جس میں حقیقت ارتقاء کو موضوع بنایا گیا ہو۔ دراصل اس موضوع پر شائع ہونے والی کتابیں ''نظریۂ ارتقاء'' کی بات کرتی ہیں۔ ارتقاء کی حقیقت پر کسی نے کچھ نہیں لکھا۔

اگر ہم ڈارون کی کتاب The Origin of Species اصل انواع کا مطالعہ کریں تو پتا چلے گا کہ وہ ایک جزیرے میں تھا اور جس بحری جہاز پر اس نے سفر کیا تھا

اس کا نام ایچ ایم ایس بی گل تھا۔اس نے مشاہدہ کیا کہ کچھ پرندے ایک خاص چٹانی مقام کو اپنی چونچوں سے کھود رہے تھے۔ جہاں تک کسی پرندے کی چونچ پہنچتی وہ وہاں تک کھدائی کر لیتا تھا۔ یہ مشاہدہ ایک ہی قسم کے پرندوں کے بارے میں تھا۔ یہ مشاہدہ تمام اقسام کے پرندوں کے بارے میں نہیں تھا۔

ڈارون نے کچھ عرصے بعد اپنے ایک دوست تھامس کو خط لکھا یہ 1861ء کی بات ہے الفاظ یہ ہیں: ''میں طبعی انتخاب پر ایک وجہ سے یقین رکھے ہوئے ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ یہ مجھے ''اعضا کی ساخت'' کے علم اور ابتدائی ساخت کے اعضاء کی درجہ بندی میں مدد کرتا ہے۔ میں اس کی بنیاد پر مختلف انواع کی آسانی سے گروہ بندیاں کر لیتا ہوں۔'' چارلس ڈارون خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ نظریۂ ارتقاء کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں۔ گویا وہ خود اس نظریے سے کلی طور پر متفق نہیں ہے۔ اس لئے اگر مجھے کسی کی توہین مقصود ہو تو میں کہوں گا کہ ''اگر تم ڈارون کے زمانے میں پیدا ہوتے تو اس غریب کا نظریہ درست قرار پاتا''، یعنی کسی کا یوں تمسخر اڑانا کہ تم بُوزنے یا بندر ہو۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ یہ نظریہ دنیا بھر میں ایک حقیقت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اور شامل نصاب ہے تو آیئے دیکھتے ہیں اس بات میں حقیقت کہاں تک ہے۔ وجہ صرف ایک ہی ہے کہ کلیسا سائنس کے خلاف تھا، اس نے گلیلیو کو اس لئے سزائے موت دی تھی کیونکہ اس نے ''انجیل مقدس'' کے متصادم فلکیاتی حقائق بیان کئے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس سزائے موت کے خلاف جو شدید سائنسی مخالفت ہوئی اس پر پاپائے روم آج معافی مانگ رہے ہیں۔

اس پس منظر میں جب سائنس کا زور تھا اور کلیسا کی مخالفت ایک فیشن بن چکا تھا۔ اس وقت چارلس ڈارون نے آگے بڑھ کر کلیسا اور انجیل مقدس کے خلاف ایک نظریہ پیش کیا۔ اس سے کسی ثبوت کا تقاضا کئے بغیر اس کے نظریے کی اندھا دھند حمایت ہوئی۔

سائنسدانوں نے بڑھ چڑھ کر ڈارون کی حمایت کی کیونکہ میرے دشمن کا دشمن تو میرا دوست ہوا ناں! ڈارون کا اصل مقصد کلیسا کو جھٹلانا تھا۔

سائنس ارتقائے انسانی کے چار مراحل کا مفروضہ پیش کرتی ہے۔ پہلا برفانی دور کا مرحلہ جو تین ملین برس قبل گزرا۔ سائنس کہتی ہے کہ ہومونائیڈز کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی لوسی (Lucy) ہے اس کے ساتھ ساتھ آسٹریلوپیتھکس ہیں جو تین ملین سال قبل معدوم ہو گئے تھے۔ پھر ہوموسیپینیز آئے جو 5 لاکھ سال قبل معدوم ہو گئے پھر نینڈرٹل مین کا گزر ہوا یہ ایک لاکھ چالیس ہزار سال قبل فناہ ہو گئے آخر میں یعنی چوتھے مرحلے میں کرومینن کا گزر ہوا۔

ان چاروں میں کوئی باہمی ربط بنتا ہی نہیں۔ 1971ء میں علوم ارتقاء کے شعبے کے صدر نے پیرس میں یہ کہا تھا کہ ہم فوسلز کی بنیاد پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے آباؤاجداد کون تھے کیونکہ یہ ایک لایعنی اور مضحکہ خیز بات ہے۔

میں آپ کو ایسے ان سینکڑوں سائنسدانوں کے ناموں کی فہرست فراہم کر سکتا ہوں جن میں کئی تو نوبل انعام یافتہ ہیں جنہوں نے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی سخت مخالفت کی۔ سر البرٹ کو وٹامن سی کی دریافت پر نوبل انعام ملا تھا انہوں نے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی تردید کرتے ہوئے ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے (Crazy Ape And Men) ''احمق بوزنہ اور انسان''۔ بہت سے سائنسدانوں نے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ رابرٹس البرٹ نے ارتقاء کا ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے جو ڈارون کے نظریے کے بالکل برعکس ہے۔ ایک نامور ماہر حیاتیات سر فرینک سیلسبری کا کہنا ہے کہ ڈارون کا نظریہ غیر منطقی ہے۔ سر وائٹ سیٹ نے ڈارون کے نظریے کو مسترد کرتے ہوئے ایک کتاب بھی لکھی۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء سکولوں کے نصاب میں اس لئے شامل ہے کیونکہ میڈیا ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نظریے میں نچلی سطح پر چند نیم ثبوت ایسے ملتے ہیں جن میں کچھ حیوان اپنی جون بدل لیتے ہیں۔ قرآن نے بھی اس کی تردید نہیں کی کہ

''امیبا'' ''پیرامیشیا'' میں نہیں تبدیل ہوسکتا۔ آپ نے حالیہ دریافت شدہ نظریے کے بارے میں سنا ہوگا کہ ہم جنس پرستی کا عنصر انسان کے جینز میں موجود ہوتا ہے۔ میں نے ٹائمز آف انڈیا میں جب یہ مضمون پڑھا تو مجھے پورا پورا یقین تھا کہ میرے اگلے اتوار کے لیکچر میں اس موضوع پر ضرور سوال کیا جائے گا۔ سامعین! آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم جنس پرستی انسان کے جینز (Genes) میں شامل ہے تو اللہ اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کو کیوں الزام دینے لگا؟ قرآن پاک ہم جنس پرستی کی مخالفت کرتا ہے۔ میں نے سوچا ابھی یہ ایک نظریہ یا تھیوری ہے اس کے بارے میں بات کرنا فضول ہوگا۔ کچھ ہی مہینوں میں یہ تھیوری نہ صرف باطل ثابت ہوگئی بلکہ ہم جنسیت کی تھیوری پیش کرنے والا خود بھی ایک ہم جنس پرست نکلا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ میں اپنی گفتگو میں مصدقہ حقائق کو سامنے رکھوں گا کسی فرضی تھیوری کو نہیں اور ڈارون کا نظریہ تو نہ ثابت ہوا ہے نہ اس کے متعلق کوئی ٹھوس ثبوت ملے ہیں۔ قرآن بھی اس نظریے کا مخالف ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ پہلا انسان آدم علیہ السلام کی شکل میں تھا۔ ہم مستقبل میں انشاء اللہ اسے سائنسی بنیادوں پر ایک ثابت شدہ اور مسلمہ حقیقت کے طور پر دیکھیں گے خواہ ایسا 100 سال بعد ہو خواہ 1000 برس بعد۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ نوع انسانی ایک جوڑے سے وجود میں آئی لیکن یہ ابھی تک ایک نظریہ ہے اگرچہ یہ قرآن سے مکمل اتفاق کرتی ہے کہ بنی نوع انسان ایک مرد اور ایک عورت کے جوڑے سے وجود میں آئے۔ چونکہ سائنسی حوالے سے یہ ابھی تک محض ایک تھیوری سے زیادہ کچھ نہیں اس لئے میں اپنی گفتگو میں اس کا حوالہ کبھی نہیں دیتا۔ ان شاء اللہ آنے والے دور میں یہ تھیوری ثابت شدہ حقیقت کے طور پر قرآن پاک کی ہمنوا ہوگی۔ تاحال قرآن کسی بھی سائنسی سچائی سے متصادم نہیں ہے۔

سوال: السلام علیکم! میرا نام عبدالسمیع ہے اور میں ایک طالبعلم ہوں۔ میرا سوال

یہ ہے کہ قرآن پاک میں بیان ہوا ہے کہ منکرین حق کے دلوں پر مہر ثبت کردی جاتی ہے لیکن جدید سائنس کی رو سے تو سوچنے کا کام ذہن انسانی کرتا ہے نہ کہ اس کا دل۔ اسے آپ کس طرح واضح کریں گے؟

جواب: میرے بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جبکہ سائنس کا کہنا یہ ہے کہ سوچنا محسوس کرنا تو ذہن کا کام ہے نہ کہ دل کا۔ میں عبدالسمیع بھائی سے اتفاق کرتا ہوں کہ قرآن نے یہی کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے:

''اللہ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔'' (القرآن 7:2)

یہاں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اگر آپ عربی کے لفظ ''قلب'' کے معانی سے واقف ہیں تو اس کے دو معانی ہیں:

اوّل: دل (Heart)

دوم: تعقل (Intelligence)

اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ''اللہ نے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو سلب کرلیا ہے'' یہی صحیح ترجمہ ہے۔ اور یہ سائنس کے عین مطابق ہے۔

ایک صاحب نے مجھ سے فرمایا: ''بھائی ذاکر! چلئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ قلب کا مطلب دل بھی ہے (اور اسے تعقل کی صلاحیت سے موسوم کیا جاتا ہے) مگر قرآن کی ایک آیت میں یہ بھی تو آیا ہے کہ ''ان کے دل ان کے سینوں میں ہیں'' اس کی آپ کیا توجیہہ کریں گے؟ دراصل وہ صاحب جس آیت مبارکہ کو بطور سند پیش کر رہے تھے وہ سورۃ الحج کی آیت: 46 تھی جس میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے:

''.....بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (القرآن 46:22)

تو قرآن پاک کی نگاہ میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں، دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ مگر سائنس کہتی ہے کہ دیکھنا تو آنکھ کا یا چشم کا کام ہے دل تو نہیں دیکھتا۔ سو یہ آیت تو غیر سائنسی بات کر رہی ہے۔ میں نے اپنے اس بھائی سے کہا: میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ قلب کے دو ہی معانی ہیں مگر یہاں عربی لفظ ''صدر'' استعمال ہوا ہے جو دو معانی رکھتا ہے:

1۔ سینہ (Breast)   2۔ مرکز (Centre)

ہم جب کسی کو ایک مخصوص شعبے کا سربراہ کہتے ہیں تو لفظ ''صدر'' استعمال کرتے ہیں صدر شعبہ.....صدر کے معانی مرکزی بازار کے بھی ہوتے ہیں۔ دراصل ''صدر'' کا مطلب مرکز بھی ہے تو صحیح ترجمہ ہوگا:

''ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ ان کی وہ Intelligence اندھی ہے جو صدور میں ہے'' (ہم دراصل کسی شعبے کے سربراہ کو انگریزی میں Head of the Department اور اردو میں صدر شعبہ کہتے ہیں۔ کسی فطین انسان کے لئے Great Head بھی استعمال کرتے ہیں اور محاورہ ہے (عقل پر پردہ پڑ جانا)

اور یہی کچھ تو میں نے اپنے ابتدائی کلمات میں کہا جب میں نے قرآن پاک کی سورۃ طٰہٰ کی آیات: 25-28 پڑھیں۔

''اے میرے رب میرے لئے میرے ذہن کو وسعت بخش۔ اور میرے کام کو آسان بنا دے اور میری زبان سے رکاوٹوں کو دور رکھ تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔'' (القرآن 20:25-28)

درج بالا دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کی تھی جب اللہ نے ان کو لوگوں میں پیغام حق پہنچانے کے لئے کہا تھا کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ عرض کیا تھا کہ ''اے میرے رب میرا سینہ میرے لئے وسیع کر دے؟'' یہاں رک کر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ سینے کو تبلیغ حق سے کیا مطلب؟ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے تو اللہ سے یہ درخواست کی تھی کہ ''اے میرے رب میرے مرکز (مرکز سر) کو میرے لئے وسیع تر کر دے یعنی ''رب اشرح لی صدری'' اور مزید کہہ رہے ہیں ''ویسرلی امری'' اور میرے فریضے کو آسان کر دے۔ اور ''میری زبان کی گرہیں کھول دے تا کہ وہ لوگ (منکرینِ حق) میری بات کو سمجھ پائیں''۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اور میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو بتاتا چلوں کہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میری زبان میں بھی لکنت ہے۔ میں بچپن میں ہکلا کر بات کرتا تھا۔ میں اسی لئے ہر گفتگو کے آغاز سے قبل اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کیا کرتا ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔ اسٹیج پر مجمع کے سامنے میری لکنت دور ہو جاتی ہے تاہم عام زندگی میں میری زبان میں لکنت آ جاتی ہے۔ یہ میرے مالک کا مجھ پر خاص کرم ہے۔

اگر ہم سورۃ الحج کی مذکورہ آیت کا تجزیہ سائنسی حوالے سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو ان کے مراکز میں ہے جسے تعقل سوجھ بوجھ اور فہم و فراست یا انٹیلی جنس کہتے ہیں۔ ہم اگر یہ کہیں کہ وہ آنکھوں سے اندھے ہیں تو یہ غیر سائنسی بات ہوگی۔ سورۃ البقرہ کی آیت: 18 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''بہرے، گونگے، اندھے ہیں وہ راہ (راست) کو نہیں لوٹیں گے۔'' (القرآن 2:18)

یہاں بہرے سے مراد جسمانی طور پر بہرے نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کا اس طرح انکار کر رکھا ہے کہ وہ سنتے ہوئے بھی سن نہیں پاتے۔ وہ کائنات میں اللہ کی نشانیاں دیکھ کر بھی ان آیات پر ایمان نہیں لاتے۔

سوال: السلام علیکم! قرآن علم الجنین (Emryology) کی بات بڑی باریک بینی سے کرتا ہے مگر وہ معجزہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیسے جنم لیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کیوں کر ہوئی؟ اس بارے میں آپ قرآن میں اس موضوع پر کیے گئے ذکر کے تناظر میں کیا کہیں گے؟ کیا یہ تردید نہیں؟ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ ازراہ کرم اس کی سائنسی وضاحت فرمائیے۔

جواب: بھائی یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا سائنس یہ ثابت کر سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معجزہ کیسے رونما ہوا۔ وہ بن باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ میں اس سے قبل اپنی گفتگو میں یہ بتا چکا ہوں کہ معجزہ (معمول سے ہٹ کر کوئی بات یا واقعہ) ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے جس کی توجیہہ کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔ اس غیر معمولی واقعہ کو ہم مافوق الفطرت کہتے ہیں یا اسے خدائے بزرگ و برتر سے منسوب کرتے ہیں۔

عہد قدیم کے معجزات کا آج کی جدید سائنسی روشنی میں تجزیہ اس لئے ممکن نہیں کہ ہم ماضی میں پلٹ کر نہیں جا سکتے۔ تاہم چند معجزات ایسے ہیں جنہیں پرکھا جا سکتا ہے حضرت محمد ﷺ سے پہلے تمام پیغمبران خدا اپنے ایک خاص گروہ کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان پیغمبروں کا پیغام ایک محدود عرصے اور زمانے کے لئے ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کا معجزہ بھی اسی محدود زمانے کے لئے ہوتا تھا۔ مطلوب بھی یہی تھا کہ وہ اپنے اپنے دور پیغمبری میں ان

معجزوں سے اپنے زمانے کے لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ ایسے معجزات مثلاً بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کسی بھی منکر حق کے لئے کافی ثبوت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کوئی بھی ماضی میں جا کر اس معجزے کی تصدیق تو کرنے سے رہا۔ چونکہ آنحضور ﷺ سے قبل تمام پیغمبران خدا ایک خاص زمانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ اس لئے ان سے کوئی ابدی یا دوامی معجزہ طلب کرنا ناانصافی ہوگی۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں جو پوری بنی نوع انسان کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپؐ سے ابدی و دوامی معجزہ طلب کرنا بجا ہے۔ آنحضور ﷺ کا وہ معجزہ جو ابدآباد تک رہے گا وہ قرآن حکیم ہے۔ آپؐ کے بہت سے معجزات کا ذکر آتا ہے۔ مگر ہم جس ایک پر فخر کرتے ہیں وہ ہے قرآن حکیم۔ ہم باقی معجزوں کو سائنسی بنیاد پر ثابت کر سکیں یا نہ کر سکیں قرآن پاک کو ایک زندہ و تابندہ معجزے کے طور پر ضرور پیش کریں گے۔ یہ وہ معجزہ ہے جو حضرت محمد ﷺ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے بطور خاص عطا کیا۔ باقی رہ گئے دیگر پیغمبروں کے معجزے تو وقت چونکہ ماضی کی طرف لوٹ نہیں سکتا اس لئے ہم ان کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

اس حقیقت کے باوجود میں آپ کو ایک سائنسی توجیہہ بتا سکتا ہوں۔ دور حاضر کی جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ مخصوص انواع ایسی ہیں جو نر کے بغیر اپنی نسل بڑھانے پر قادر ہیں۔ اس کی بہترین مثال شہد کی نر مکھی کی ہے۔ یہ ایک ایسا انڈہ ہے جو کسی نر کی قربت کے باعث ظہور نہیں کرتا یعنی ملکہ شہد کی مکھی (Queen Bee) جو انڈے دیتی ہے وہ بغیر کسی نر کی قربت کے، آخر میں نر (Male) کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل مادہ شہد کی مکھی بغیر کسی نر (Male) کے انڈے دیتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں ایسی متعدد انواع ہیں جو بغیر کسی نر کی قربت کے وجود میں آتی ہیں۔ مجھے یہ خوب علم ہے کہ صرف ادنیٰ درجے کے حیوانات میں ہی بغیر نر کی بارآوری کے ایسا ہوتا ہے اور اعلیٰ درجے کے حیوانات میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ تو فیصلہ کون کرے گا سائنس تو عاجز ہے البتہ اللہ ہمیں بتاتا ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسا معجزاتی جنم ممکن ہے سورۃ آل عمران کی آیت 45-47 میں ارشاد ہوا:

> ''اس وقت کہا تھا فرشتوں نے اے مریم! بیشک اللہ کلمہ من اللہ'' کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام مسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہوگا۔ ذی وجاہت دنیا و عقبیٰ میں اور وہ مقربین میں سے ہوگا اور گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ اور صالحین میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا میرے رب! میرے بچہ کیوں کر ہوگا جب مجھے کسی نے نہیں چھوا۔ کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے کسی امر کا تو حکم دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔''
> (القرآن 3:45-47)

اللہ اگر اپنی قدرتِ کاملہ سے نر شہد کی مکھی کی قربت کے بغیر نر شہد کی مکھیاں پیدا ہوتی ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں تو یہ بہت آسان تھا۔ اللہ خالق کائنات جب چاہتا کرتا ہے کن فیکون والا معاملہ ہے میں نے شہد کی مکھی کی مثال اس لئے دی ہے کہ اللہ کس طرح قانون تولید جب چاہے توڑ سکتا ہے۔

سوال: السلام علیکم! آپ نے اپنے لیکچر میں قرآن اور جدید سائنس کے ایسے حقائق کا ذکر فرمایا ہے جو ثابت ہو چکے ہیں۔ کیا آپ ایسے حقائق کا ذکر بھی کرنا چاہیں گے جن کو سائنس تو ابھی تک ثابت نہیں کر سکی لیکن وہ قرآن میں مذکور ہیں۔

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ میں نے قرآن پاک میں مذکور ان حقائق کی بات کی ہے جنہیں سائنس ثابت کر چکی ہے۔ کیا میں چند ایسے حقائق بتا سکتا ہوں جن کو دور حاضر

کی جدید سائنس ابھی تک ثابت نہیں کر سکی۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت 29 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور جو جاندار مخلوق ان میں پھیلائی ہے۔'' (القرآن 29:43)

قرآن حکیم آپ سے کہہ رہا ہے کہ اس کرۂ ارض کے علاوہ بھی زندگی پائی جاتی ہے اور اللہ نے جاندار مخلوقات کو آسمان اور زمین میں پھیلا رکھا ہے ابھی تک تو ایسے کوئی سائنسی شواہد سامنے نہیں آئے کہ اس زمین سے ماورا بھی کہیں حیات موجود ہے۔ اللہ نے سات آسمان بنائے اور ان ہی کی مانند زمینیں۔ ان سب کے درمیان اس کا حکم اترتا ہے۔

سائنسدانوں نے بیشمار خلائی سیّارے اور راکٹ خلا میں بھیجے ہیں۔ حال ہی میں سائنسدانوں کو مریخ کی سطح پر سے ایسا مواد ملا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں زندگی کے آثار ممکن ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا کی ایک حالیہ خبر کے مطابق چاند پر پانی دریافت ہوا ہے۔ اخبار کے مطابق کوئی (کومٹ) دمدار ستارہ چاند سے ٹکرایا ہوگا۔ اب چاند کی سطح پر پانی منجمد شکل میں موجود ہے گویا ہمیں آئندہ چاند پر جاتے وقت پانی ساتھ لے کر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ چونکہ قرآن اس بات کا تذکرہ کر رہا ہے اس لئے میں مانتا ہوں کہ زمین کے علاوہ بھی اس کائنات میں حیات پائی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے سائنس اس حقیقت کا انکشاف سال دو سال یا پچاس سال بعد کر سکے۔

عہد حاضر کے سائنسدان اس دنیا کے خاتمے کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں کچھ کا کہنا یہ ہے کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پہاڑ اور زمین زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے۔ زمین تہ و بالا ہو جائے گی۔ کچھ کا خیال یہ بھی ہے کہ سمندروں کا پانی ساحلوں سے اُمڈ آئے گا۔ خیر سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کائنات بلیک ہول کا شکار بن جائے گی۔

قرآن پاک میں بھی ''یوم الحساب'' کا ذکر آتا ہے۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نظام زندگی کس طرح درہم برہم ہو جائے گا۔قرآن اور سائنس کی بہت سی باتیں آپس میں ہم آہنگ ہیں۔فرق یہ ہے کہ سائنس نے مفروضے اور گمان پر ان باتوں کی بنیاد رکھی ہے کوئی مستند خبر فراہم نہیں کی۔قرآن پاک میں خالق کائنات فرماتا ہے:

''نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ایک مقررہ وقت تک۔'' (القرآن 3:46)

اللہ تعالیٰ ہی نے یہ فرمایا ہے کہ حیات بالآخر اپنے انجام کو مقررہ وقت پر پہنچے گی سب کچھ ختم ہو جائے گا۔سورۃ القیمہ کی آیات 8-9 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

''اور چاند گہنا جائے گا اور سورج چاند ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے۔'' (القرآن 9-8:75)

ایک جگہ اور ارشاد ہوا:

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔'' (القرآن 6,3,2,1:81)

قرآن پاک میں اس بات کا ذکر بہت سے مقامات پر آیا ہے کہ زمین کس طرح اپنے انجام کو پہنچے گی لیکن سائنس ان سب کی تصدیق ابھی تک نہیں کر سکی۔

سورۃ الانبیاء کی آیت:104 میں یہ ذکر یوں آیا ہے:

''جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتدا کی (ویسے ہی) ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے ایک وعدہ ہے۔'' (القرآن 104:21)

قرآن تو کہتا ہے زمین پر از سر نو زندگی آباد ہوگی جس سے پہلے ساری حیات ارضی مکمل تباہ ہوگی۔سائنس کو اس کا علم نہیں ہے۔قرآن کا کہنا ہے کہ اس زمین پر پہلے انسان آدم ؑ تھے۔پھر نسل انسانی کا آغاز ہوا سائنس تو ابھی تک اس حقیقت کو ہی نہیں جان سکی۔قرآن روح کی بات کرتا ہے سائنس روح کی قائل ہی نہیں۔قرآن میں فرشتوں، جنوں اور ارواح کا ذکر آیا ہے۔سائنس اس سے ابھی تک واقف نہیں۔قرآن حیات بعد از موت (حیات بعد از مرگ) کی بات کرتا ہے۔سائنس اس کی قائل نہیں۔قرآن جنت اور دوزخ کی تفصیلات بتاتا ہے۔سائنس اس بارے میں بھی مہر بہ لب ہے۔آپ ضرور کہیں گے میں نے تو سائنس کے حوالے سے بات خاصی لمبی کر دی۔آپ مجھ سے جنوں کے حوالے سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا میں فرشتوں اور جنوں کے وجود پر یقین رکھتا ہوں اور ارواح کا قائل ہوں؟ آپ حیات بعد از مرگ کے بارے میں میرا نقطۂ نظر جاننا چاہتے ہوں گے۔میں جواب دوں گا۔''ہاں میں ان سب کا قائل ہوں۔'' اس لئے کہ میرے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کے لئے جواز موجود ہے۔میں آنکھیں بند کر کے دلیل اور ثبوت کے بغیر والا عقیدہ نہیں رکھتا۔میں منطقی طور پر جنت وجہنم، ارواح، حیات بعد از مرگ اور جنوں کے وجود کا قائل ہوں۔میرے منطقی عقیدے کی بنیاد بہت مضبوط ہے۔فرض کیجئے قرآن میں کچھ سائنسی شواہد مل جاتے ہیں جن میں سے 80 فیصد سائنسی حقائق 100% درست ثابت ہوتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسا ہی ہے تو صرف 20% حقائق غیر واضح رہ جاتے ہیں۔سائنسی اعتبار سے قرآن پاک کی کوئی بھی آیت جھوٹی ثابت نہیں ہوئی۔نہ ہی آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔اگر اللہ کی کتاب کی ایک آیت بھی جھوٹی ثابت ہو جائے تو قرآن حکیم اللہ کا کلام نہیں رہتا۔گویا قرآن میں کہیں ذرا سی بھی غلطی نظر آ جائے تو یہ الہامی کتاب معجزہ یا کلام خداوندی نہیں رہ جاتا۔اس لئے میں کئی بار یہ بات کہہ چکا ہوں کہ 100 میں سے بقیہ 20% حقائق غیر واضح رہ جاتے ہیں۔

سوال: قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ کسی انسان کے رجحانات، خصوصیات اور مزاج کا تعین رحم مادر میں ہی ہو جاتا ہے۔ مگر دور حاضر میں جینیات کے حوالے سے اس قدر انقلابی ترقی ہو چکی ہے کہ والدین جینیاتی اصول تبدیل کروانے کے بعد اپنی مرضی کے متاثر کن بچے کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اسے آپ کیا کہیں گے؟ ازراہ کرم وضاحت کیجئے۔

جواب: میرے بھائی نے سوال یہ پوچھا ہے کہ آج ہم جینیات کے میدان میں اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ متوقع بچے کی ساخت اور مزاج تک میں تبدیلی کروا سکتے ہیں اور قرآن پاک کا کہنا یہ ہے کہ اللہ بچے کی ساخت اور اوصاف کا تعین کرتا ہے۔ میں قرآن میں مذکور بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔ دراصل قرآن مجید نے جو کچھ جہاں جہاں کہا ہے اس کی کہیں تردید نہیں کرتا۔ قرآن میں جہاں کہیں بچے کی مخفی صلاحیتوں یا اوصاف کا ذکر آیا ہے وہاں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ کی تائید اور نصرت کے بغیر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی سورۃ الرحمٰن کی آیت: 33 میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا ہے:

''کہ نکل بھاگو تم آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو بھاگ دیکھو، نہیں بھاگ سکتے تم۔'' تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن غلط کہتا ہے۔ قرآن تو کہتا ہے تم خلائے بسیط میں، آسمانوں تک جا سکتے ہو مگر اللہ کی اجازت کے بغیر ہرگز ہرگز نہیں۔ اللہ کے کلام میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ حضرت انسان چاند، مریخ غرض خلاء میں دور دور تک پرواز کرے گا مگر اللہ نہ چاہے تو انسان بے بس ہو کر رہ جائے، ایسا کبھی نہ کر سکے۔ خاندانی منصوبہ بندی سے آپ سب واقف ہیں۔ کوئی خاندانی منصوبہ بندی اُس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب تک اللہ نہ چاہے۔ آپ بذریعہ نس بندی عورت کو تولید نسل سے محروم کرنا چاہیں اور اللہ ایسا نہ چاہے تو نس بندی کے باوجود بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ جو کوشش کرنا

چاہیں کر ڈالیں۔ جینیاتی کوڈ تبدیل کروا لیں مگر اللہ نہ چاہے تو آپ اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کچھ لوگ اس عمل میں کامیاب ہو جاتے ہیں کچھ ناکام جو کامیاب ہوتے ہیں اس میں اللہ کی مرضی شامل ہے جو ناکام ہو جاتے ہیں وہاں اللہ انہیں ناکام کر دیتا ہے۔

سوال: السلام علیکم! ذاکر بھائی میں ایک ہندو تھا۔ میں حال ہی میں اسلام لایا ہوں۔ میں آپ سے دریافت کرنا چاہوں گا کہ ایک خاتون نے بچے کو جنم دیا ہے مگر تھوڑے عرصے بعد وہ حاملہ ہو جاتی ہے اور مرحلہ تخلیق سے دوچار ہونے جا رہی ہے۔ بچے کی پیدائش کی صورت میں ڈاکٹروں کے خیال میں اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ غیر مسلم ڈاکٹروں کی رائے میں اس خاتون کو جو امید سے ہے اسقاط حمل کروا لینا چاہیے جبکہ مسلمان ڈاکٹر اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ چند مسلمان ڈاکٹروں نے یہ رائے دی ہے کہ اسقاط حمل 40 روز سے پہلے پہلے جائز ہے۔ ڈاکٹر صاحب ازراہ کرم اسلامی فقہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیے؟

جواب: میرے محترم بھائی کا سوال یہ ہے کہ اگر عورت کی زندگی خطرے میں ہے تو سائنسی اعتبار سے اسقاط حمل کی اجازت ہے۔ قرآن حکیم اس کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔ آیئے قرآن سے رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے:

سورۃ الانعام کی آیت: 151 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اور مت قتل کرو کسی جان کو جس (کے قتل کو) حرام ٹھہرایا ہے اللہ نے مگر حق کے ساتھ۔'' (القرآن 6:151)

ایک اور آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ اس طرح ہوا:

''اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا جرم ہے بہت بڑا۔'' (القرآن 31:17)

قرآن حکیم میں عام حالات میں اسقاط حمل کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سکرات یا نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا گیا۔ مردار کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں چار مختلف مقامات پر یہ کہا گیا ہے کہ

''اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے اس پر (نام) غیر اللہ کا۔ پھر جو مجبور ہو جائے (جبکہ) وہ سرکش بھی نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا بھی نہ ہو تو کچھ گناہ نہیں اس پر۔ بیشک اللہ بہت معاف فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (القرآن 173:2)

سورۃ المائدہ کی آیت:3 میں ارشاد ہوا:

''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور کہ پکارا گیا ہو غیر اللہ کا نام جس پر اور جو مر گیا گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ لگنے سے اور وہ جسے درندے نے کھایا ہو مگر (حلال ہے) جس کو تم نے ذبح کر لیا اور وہ بھی حرام ہے جو آستانے میں ذبح کیا گیا۔'' (القرآن 3:5)

سورۃ الانعام کی آیت:145 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''کہہ دو! نہیں پاتا میں اسی وحی میں جو میرے پاس آئی کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ اسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ ہو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت۔ اس لئے کہ یقیناً وہ ناپاک ہے یا یہ کہ حکم عدولی کرتے ہوئے پکارا گیا ہو (نام) غیر اللہ کا اس پر پھر جو کوئی مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر) اس طرح کہ نہ ہو نافرمانی کا ارادہ اور نہ حد سے تجاوز کرے تو یقیناً میرا رب بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (القرآن 145:6)

سورۃ النحل کی آیت:115 میں ارشاد ہوا:

''حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مردار خون، سور کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے (نام) غیر اللہ کا اس پر، پھر جو مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکش بھی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو۔'' (القرآن 115:16)

اگر انسان بحالت مجبوری ایسا کر بیٹھے تو اللہ نہایت رحمٰن اور حد درجہ رحیم ہے۔ اگر آپ بھوک سے مر رہے ہوں اور جان خطرے میں ہو اور خنزیر کا گوشت ہی میسر ہو تو یہ حلال اور جائز ہو جاتا ہے۔ البتہ اس میں دلی خواہش شامل نہ ہو۔ اور جب فاقے سے نکل آئیں تو پھر نہ کھائیں۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ اسلام سلامتی اور بقاء کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہی معاملہ اسقاط حمل کا ہے محض اس لئے اسقاط حمل کرانا کہ آپ بچہ چاہتے نہیں حرام مطلق ہے۔ البتہ اگر بچے کی پیدائش سے ماں کی جان کو خطرہ لاحق ہو تو اسقاط حمل کی اجازت ہے اسلامی نکتہ نظر سے ماں کی زندگی اس بچے سے زیادہ قیمتی ہے جو ابھی رحم مادر میں ہے۔ یہ

بات میرے علم میں ہے کہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ 40 روز سے پہلے رحم مادر سے بچے کا اسقاط جائز ہے اور 40 روز کے حمل کے بعد اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر قرآن اس بارے میں بڑا واضح اور دوٹوک مئوقف رکھتا ہے کہ اگر نومولود کی پیدائش سے ماں کی جان کو خطرہ درپیش ہو تو اسقاط حمل جائز اور ضروری ہے۔ آپ جب مجبوری میں ایسا کرتے ہیں اور اس میں آپ کی خواہش کا عمل دخل نہیں ہوتا تو یہ فعل نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتا۔

اسی طرح اگر عورت عارضۂ قلب میں مبتلا ہو اور زچگی کے دوران دل کی حرکت بند ہو جانے کا خدشہ ہو تو اسقاط کروانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ چھوٹے نقصان کو بڑے نقصان پر قربان کر دیا جائے۔ میں بلا خوف وتردید یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ماں کی جان کو خطرہ لاحق ہے تو اسقاط حمل اسلام کی رُو سے بالکل جائز ہے۔ اگر کوئی خطرہ نہ ہو اور کسی اور عذر کو سامنے رکھ کر اسقاط کرایا جا رہا ہو تو یہ اسلام میں حرام ہے۔

سوال: جب قرآن حکیم سائنس اور سائنسی علوم کو اس قدر اہمیت دیتا ہے تو مسلمانان عالم سائنس کے میدان میں اتنا پیچھے کیوں ہیں؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اگر قرآن سائنس کو اتنی اہمیت دیتا ہے تو پھر مسلمان سائنسدانوں کی تعداد اس قدر کم کیوں ہے؟ بہن! میں اس کا جواب دوں گا لیکن اس سے قبل یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ میڈیا (ذرائع ابلاغ) ہے کیونکہ ''آج کا میڈیا مغربی دنیا کے ہاتھ میں ہے۔'' اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ میڈیا یورپ اور امریکہ کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ ان کے پاس زیادہ سٹیلائٹ اور ٹیلی ویژن ہیں۔ سی این این اور بی بی سی ان کی زبان بولتے ہیں، انٹرنیٹ پر امریکہ کا قبضہ ہے۔ سچ کو وہ جو شکل دینا چاہیں توڑ موڑ کر

دے دیتے ہیں، جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنے میں اِن کا ثانی نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ سکولوں کالجوں میں جو پڑھایا جا رہا اس میں سارے کا سارا علم ''علم مغرب'' ہے۔ آپ کو یاد دلاتا جاؤں کہ آٹھویں صدی سے لے کر بارھویں صدی تک کے دور کو ''ازمنۂ تاریک'' (Dark Ages) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اہل یورپ کے لئے یہ ازمنۂ تاریک تھا۔ اس دور میں عرب اور غیر عرب مسلمان سائنسدان سائنس کے میدان میں عروج کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ مسلمان اس دور میں ترقی یافتہ تھے اور اہل یورپ پسماندہ۔

آج جب کہ نئی نئی ایجادات اور آلات سامنے آ رہے ہیں ہم اس دور کا موازنہ اس آٹھویں سے بارھویں صدی عیسوی پر محیط دور کے ساتھ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ سائنسی ایجادات کی تعداد گو کم تھی لیکن مسلمان سائنسدان سائنس کے میدان میں یورپ سے بہت آگے تھے۔ ابن نفیس نامی مسلمان نے دوران خون کا عمل دریافت کیا تھا لیکن میڈیکل کی کتابوں میں ابن نفیس کی جگہ ولیم ہاروے کا نام دیا گیا ہے کہ یہ دریافت اس کی ہے۔ دوران خون کے عمل کی دریافت ابن نفیس نے 400 برس قبل کی تھی۔ اہل یورپ نے مسلمانوں کی کتابوں سے استفادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان علوم کو چرا کر اپنے ناموں سے پیش کیا تھا۔ اسی طرح 1154ء میں طوسی نے دنیا کا پہلا نقشہ بنایا تھا۔ ریاضیات میں مسلمان ریاضی دانوں کا بڑا شہرہ تھا۔ اعشاری نظام مسلمانوں نے متعارف کرایا تھا۔ عربی کے اعداد کو ہی ایک دو تین وغیرہ کہا جاتا ہے۔ دیگر اعداد رومن ہیں۔ یورپی سائنسدانوں کے اسی سرقہ کو دیکھ کر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

عرب طوسی پہلا ریاضی دان تھا جس نے پہلی بار فیثا غورثی مسائل کو دریافت کیا۔ ہم

مسائل فیثا غورث سے تو باخبر ہیں۔ مگر طوسی کو نہیں جانتے۔ طوسی نے ہی مربع کی ساختیاتی اشکال کی ریاضیاتی تشریح کی تھی۔

البیرونی کے نام سے کون واقف نہیں۔ وہ ٹرگنومیٹری میں سند کا درجہ رکھتا تھا۔ الکندی بیک وقت فلسفی، ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا۔ جب نیوٹن اور گلیلیو نے کہا تھا کہ تمام طبعی قوانین متعینہ یا مطلق (Absolute) ہیں تو الکندی نے کہا کہ وہ اضافی (Relative) ہیں۔ آج ہم آئن سٹائن کے نظریہ اضافت سے تو آگاہ ہیں لیکن الکندی کو کوئی نہیں جانتا۔ حالانکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے نظریۂ اضافت کی بات کی تھی۔ محمد حسن اور شاکر تین بھائی تھے ان کے ناموں سے بھی ہم آشنا نہیں۔ انہوں نے بحیرۂ احمر کے ایک زاویے سے زمین کے قطر کی پیمائش کی اور یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ یہ سمجھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔

مسلمان کیمیا دانوں نے بڑا نام کمایا تھا۔ جابر بن حیان کے نام کو مغرب والوں نے لاطینی شکل دے کر انہیں گیبر کہنا شروع کر دیا ہے۔ ہم جب یہ نام پڑھتے ہیں تو انہیں یورپی سمجھنے لگتے ہیں۔ ابن حیان نے ''الکحل'' پر تحقیق کی۔ دراصل یہ عربی زبان کے لفظ ''النحل'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے بھوت وغیرہ۔ ''الکلی'' عربی سے ماخوذ ہے۔ جابر بن حیان نے کیمیا پر 2000 مضامین لکھے تھے۔

علم طب کے شعبے میں نامور شخص محمد ذکریا رازی تھے۔ چیچک اور خسرہ کی بیماریوں پر انہوں نے تحقیق کی۔ یہ وہی ماہر طب ہیں جنہوں نے مرکیوری مرہم کا استعمال کیا۔ بچوں کی بیماریوں پر آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔

علی بن عباس نے علم طب پر 20 جلدوں پر مشتمل مقالہ تحریر کیا۔ علی ابن سینا کو لے لیں۔ کیا یہ سینہ زوری نہیں کہ مغرب نے انہیں اوی سینا (Avicenna) کا نام دے کر یورپی بنا دیا ہے۔ اور ابوعلی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا کو اوسی سینا بنا کر ان کی خدمات کا سہرا مغربی دنیا کے سر باندھ رہے ہیں۔ یہ وہی ابن سینا ہیں جنہیں مشرق کے ارسطو کا لقب دیا

گیا۔ ان کی مشہور زمانہ کتاب ''قانون'' پورے یورپ میں اٹھارھویں صدی تک طب میں سند کا درجہ رکھتی تھی اور اسے ایک حوالے کی کتاب تصور کیا جاتا تھا۔ اور بھی کئی نام ہیں الزاہروی بطور ڈینٹسٹ مشہور تھے۔

وہ بطور ماہر جراح اور ماہر علم زچہ بچہ بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ الزاہروی نے جراحی (سرجری) گائناکالوجی اور دندان سازی میں استعمال ہونے والے بیشمار آلات ایجاد کئے۔ مسلمان ماضی میں کئی علوم میں نمایاں مقام رکھتے تھے مگر آج مسلمان سائنس کے میدان میں بیشک بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟ ہم قرآن سے اور اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اہل یورپ اس لئے آگے بڑھ رہے ہیں کہ وہ بھی اپنے مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ یورپ کی ترقی کا راز ان کی مذہب بیزاری میں پوشیدہ ہے جبکہ مسلمانان عالم کی پسماندگی کا سبب ان کی اسلام سے دوری ہے۔ میں اس اجتماع میں موجود بہن بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں۔ آیات قرآنی پر غور کریں۔

مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم نے آج قرآن کو، اس کتاب ہدایت کو صرف چومنے اور بلند جگہوں پر رکھنے کے لئے محدود کر دیا ہے۔ یہ جزدانوں میں لپیٹنے اور چومنے کے لئے نازل نہیں ہوا۔ آپ کی زندگی میں ایک بامعنی کردار ادا کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ اقبالؒ نے بھی مرد مسلمان کو قرآن میں غوطہ زن ہونے کی دعوت دی تھی تا کہ اسے اللہ جدت کردار عطا کرے۔

آج بھی اگر ہم قرآن حکیم کو اپنا رہبر بنا لیں، اسے اپنی زندگیوں پر نافذ کر لیں تو وہ دن دور نہیں جب مسلمان دنیا بھر میں عروج حاصل کر لیں گے۔ اور بقول اقبال ان سے دنیا کی امامت کا کام لیا جائے گا۔

سوال: اسلام ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ طلاق کے بعد شادی کر لینا ایک الگ معاملہ ہے لیکن متعدد شادیوں سے کیا ایڈز

وغیرہ جیسی مہلک بیماریوں کا خطرہ نہیں رہتا؟ افغانستان میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا یہ عورتوں پر جبر نہیں؟

جواب: بھائی نے سوال کیا ہے کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں دی گئی؟ آپ پسند کریں تو اس کا مفصل جواب میرے لیکچر ''حقوق نسواں، اسلام کی نظر میں پڑھ لیں (یہ کتابی شکل میں بھی رومیل پبلی کیشنز سے شائع ہو چکی ہے اور اس کا ترجمہ راقم نے کیا ہے۔ مترجم) بہرحال دوبارہ بتائے دیتا ہوں۔ اسلام اس دنیا کا واحد مذہب ہے جو اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ایک ہی عورت سے ایک وقت میں شادی کی جائے۔ اس روئے زمین میں کوئی ایسا صحیفہ نہیں خواہ وہ ''رامائن'' ہو یا ''بھگوت گیتا'' کہ بائیبل جس میں یہ کہا گیا ہو کہ مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے۔

سورۃ النساء کی آیت:3 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''تو نکاح کرلو تم ان سے جو پسند آئیں عورتیں تم کو، دو دو، تین تین چار چار پھر اگر خوف ہو تم کو یہ کہ عدل نہ کرسکو گے تو بس ایک۔''
(القرآن 3:4)

اگر آپ انصاف اور عدل برقرار رکھ سکتے ہیں تو آپ چار شادیاں تک کرسکتے ہیں مگر چار سے زیادہ ہرگز نہیں۔ آپ اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ قدیم مذاہب میں یہ عام رواج تھا کہ مرد جتنی شادیاں چاہتے کرلیتے تھے مگر قرآن آیا تو ایک حد مقرر ہوگئی کہ زیادہ سے زیادہ بیک وقت چار بیویاں ہوسکتی ہیں۔ بیشک یہ غور طلب بات ہے کہ کیوں؟

منطق اور دلیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو قرآن میں عدل اور انصاف کی شرط رکھ دی گئی ہے کہ اسلام چار شادیوں کی اجازت تو دیتا ہے مگر شرط یہ عائد کرتا ہے کہ عدل اور

انصاف کرنا ہوگا چاروں میں۔ سورۃ النساء کی آیت 129 میں یہ تنبیہ کردی کہ

''......اور نہیں قدرت رکھتے تم اس کی کہ عدل کرسکو بیویوں کے درمیان خواہ کتنا ہی چاہو تم۔'' (القرآن 129:4)

ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر کوئی اضافی ثواب تو نہیں ملتا نہ جنت میں درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ زیادہ شادیوں سے ثواب ملتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''شادی نصف دین کو مکمل کردیتی ہے۔''

یعنی شادی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے دوران لیکچر یہ سوال کیا تھا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر میں دو شادیاں کرلوں تو میرا دین (نصف+نصف) مکمل ہوجائے گا۔ شادی درحقیقت اس لئے فرض ہے کہ یہ بے حیائی اور عریانی سے پاک کرتی ہے۔ آپ ایک شادی کریں یا دو آپ کا آدھا دین ہی مکمل ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اسلام ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ تو دوستو! اس کی معقول وجہ موجود ہے۔ عورتیں اور مرد یکساں تناسب میں پیدا ہوتے ہیں وہ تعداد میں برابر ہوتے ہیں۔ عورتوں میں بیماریوں سے بچنے کے لئے مردوں کے مقابلے میں قوت مدافعت زیادہ ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

بچوں میں بچیوں کی نسبت شرح اموات زیادہ ہوتی ہے۔ مردوں میں حادثات سے، سگریٹ نوشی کی زیادتی اور جنگوں میں شرکت کی وجہ سے اموات کی شرح عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوجاتی ہے۔ حالیہ افغانستان کی جنگ میں دس لاکھ سے زیادہ لوگ جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں مردوں کی تعداد زیادہ تھی آپ کچھ ممالک کی آبادی کے اعداد وشمار کو سامنے رکھیں تو آپ کو بھارت ایک ایسا ملک ملے گا جہاں مردوں کی

تعداد عورتوں سے زیادہ ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عورتیں بچیوں کو مار ڈالتی ہیں۔ ہر روز تین ہزار مائیں اسقاط حمل کرواتی ہیں۔ اس لئے کہ ڈاکٹروں نے انہیں ''متوقع بچی'' کی خبر سنا دی ہوتی ہے۔ بھارت میں ہر سال دس لاکھ سے زیادہ اسقاط حمل کے کیس محض اس لئے سامنے آتے ہیں کہ رحم مادر میں موجود ''بچی'' کی پیدائش والدین کو پسند نہیں ہوتی۔ اسی طرح امریکہ میں آبادی کے اعداد وشمار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ 78 لاکھ عورتیں تعداد میں مردوں سے زیادہ ہیں۔ صرف نیویارک شہر میں عورتوں کی تعداد مردوں سے دس لاکھ زیادہ ہے اور یہ امریکا کا وہی شہر ہے جس میں کل آبادی کا ایک تہائی حصہ ہم جنس پرستوں پر مشتمل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قوم لوط والے فعل بد کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پورے امریکہ کا حال دیکھیں جہاں اڑھائی کروڑ سے زیادہ ہم جنس پرست بستے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف امریکہ میں ان عورتوں کی تعداد تقریباً تین کروڑ ہے۔ جنہیں شوہر میسر نہیں۔ برطانیہ میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت 40 لاکھ زیادہ ہے۔ روس میں 70 لاکھ اور جرمنی میں 50 لاکھ خواتین مردوں سے تعداد میں زیادہ ہیں۔

المختصر یہ کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے کہ دنیا بھر میں مردوں کی نسبت عورتیں کتنے ملین زیادہ ہیں۔ مجھے خواتین وحضرات! آپ سے ایک سوال کرنا ہے کہ بالفرض میری یا آپ کی کوئی بہن امریکہ میں رہتی ہے اور وہاں ہر مرد ایک شادی کرنے کے حق میں ہے تو اڑھائی سے تین کروڑ خواتین تو وہ نکل آئیں جنہیں شوہر نہ مل سکے۔ میری آپ کی وہ بہن بھی ان بدنصیب خواتین میں سے ہوگی۔ اب اس بہن کے لئے ایک ہی راستہ کھلا رہ جاتا ہے کہ یا تو وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کر لے جس کی پہلے سے ایک بیوی موجود ہے یا پبلک پراپرٹی بن کر بے حیائی کی زندگی بسر کرے۔

سوال: السلام علیکم! اللہ کائنات کی ہر شے کا خالق ہے۔ قرآن میں اللہ نے اپنے لئے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا ہے؟ ''ہم نے پیدا کیا''۔ ''ہم نے کیا'' وغیرہ کیوں کہا ہے؟

جواب: میرے بھائی نے سوال یہ پوچھا ہے کہ اللہ نے قرآن حکیم میں اپنے لئے جمع کا صیغہ ''ہم'' کیوں استعمال کیا ہے؟ بھائی دیکھئے! عربی زبان میں ''ہم'' یا we دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک ہم سے مراد جمع کا صیغہ ہے جو ایک سے زیادہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ دوسرا ہم تعظیمی ہے جسے آپ ''Royal Plural'' کہتے ہیں۔ مثلاً پنڈت جواہر لعل نہرو اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں: ''ہم دیکھنا چاہتے ہیں'' وغیرہ۔ تو دراصل یہ ہم جمع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ کوئی واحد متکلم اپنے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اسے تعظیمی یا شاہانہ انداز تکلم کہا جائے گا۔ اسی طرح قرآن پاک میں کہیں اللہ نے خود کو میں اور کہیں کہیں ہم کے الفاظ سے موسوم کیا ہے۔ یہ ہم عربی زبان کے لسانی قواعد کے مطابق جمع نہیں بلکہ تعظیم وتکریم کی غرض سے استعمال ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت ایک ہی ہے۔ جب اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ تو اس سے مراد اللہ کی واحد ذات ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ اخلاص کی پہلی آیت میں واشگاف اعلان فرمایا گیا ہے:

''کہو وہ اللہ ایک ہے۔ ذات واحد ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل ایک اور صرف ایک ہے جمع کا تصور محض باطل ہے۔

سوال: السلام علیکم ذاکر بھائی! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا اسلام کسی فرد کو اپنے بدن کا کوئی عضو مثلاً گردہ، آنکھ وغیرہ کسی دوسرے انسان کو دے دینے کی اجازت دیتا ہے یا پیوندکاری کی اجازت ہے؟

جواب: (ڈاکٹر نائیک) اسلام میں اعضائے جسمانی دینے یا پیوندکاری کی اجازت ہے یا نہیں؟ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جو اس بارے میں رہنمائی کرتی ہو تاہم اس موضوع پر عالم اسلام میں کئی کانفرنسیں ہو چکی ہیں مثلاً جدہ، ملائیشیا، ریاض یہاں تک کہ بھارت میں بھی یہ موضوع زیر بحث آ چکا ہے اور علماء نے اس نکتے پر اتفاق کیا ہے کہ تین شرائط پوری کر لی جائیں تو اعضائے جسم صدقے کے طور پر دیئے جا سکتے ہیں:

1۔ اعضاء کی منتقلی یا پیوندکاری انسانی جان بچانے کے لئے ہو۔ جس فرد کو عضو فراہم کیا جا رہا ہے وہ اس کا مستحق ہو اور اس کی جان بچانا مقصود ہو۔

2۔ عضو بدن صدقہ کیا جا رہا ہو بیچا نہ جا رہا ہو جیسے آج کل دو دو لاکھ میں گردہ بیچ دیا جاتا ہے۔

3۔ عضو بدن صدقہ کرنے کے بعد اس فرد کی اپنی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو یعنی وہ ایک دوسرے شخص کو نئی زندگی دیتے دیتے خود اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو رہا ہو۔

جدید سائنس کا کہنا ہے کہ جسم کے کچھ اعضاء عطیہ کئے جا سکتے ہیں۔ جیسے گردہ کیونکہ حیات انسانی کے لئے ایک گردہ کافی ہوتا ہے اگر کسی فرد نے اپنا ایک گردہ کسی ایسے شخص کو عطیہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو جس سے وہ ضرورت مند صحت مند زندگی گزار سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں فرض کیجئے میری ماں کے دونوں گردے بیکار ہو چکے ہیں اور اگر میں اپنا ایک گردہ اپنی ماں کو دے دوں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی لیکن میں ماں کو گردہ صدقہ کر کے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کا مجاز نہیں ہوں۔ اسی طرح میں اپنا دل کسی اور کو عطیہ کر دوں اور یقیناً میری اپنی موت واقع ہو جائے گی تو اس کی مجھے اسلام اجازت نہیں دیتا۔ صرف وہ عضو بدن صدقہ یا عطیہ کیا جا سکتا ہے جس سے دینے والے کی اپنی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ معاشی غرض سے اور روپے پیسے کے لالچ میں آ کر عضو بدن بیچنے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ان تین شرائط کو پورا کرنے کے بعد اس کی اجازت شرط ہے اور اس پر اجماع امت تو پایا جاتا ہے تاہم بھارت میں کچھ علماء اس بارے میں ابھی کسی فیصلے پر نہیں

پہنچ سکے۔ بھارت کی فقہ اکادمی کا نکتہ نظر بھی یہی ہے کہ کسی انسان کی جان بچانے کے لئے عضو بدن عطیہ کیا جا سکتا ہے۔

سوال: شام بخیر! محترم ذاکر نائیک صاحب، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ انسان کے مر جانے کے بعد اس کی لاش کو دفنانا چاہیے یا جلا دینا چاہیے؟

جواب: بھائی کا سوال ہے کہ مرنے کے بعد انسانی لاش کو جلایا جائے یا دفن کر دیا جائے؟ آیئے سائنسی حوالے سے دیکھتے ہیں کہ دونوں میں سے کون سی صورت بہتر اور مناسب ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انسانی بدن کے اجزائے ترکیبی اپنی ماہیت میں کم یا زیادہ شرح کے ساتھ مٹی میں موجود ہوتے ہیں۔ ہم مٹی سے ہی پیدا کئے گئے اور مٹی ہی میں واپس جائیں تو یہ عمل منطقی اور بامعنی ہوگا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لئے لاش کا دفنانا نہایت آسان ہے، لاش کو جلانے سے ماحولیاتی آلودگی پیدا ہوگی۔ یہ ایک صحت مند ماحول کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔ تجہیز و تکفین کی صورت میں ماحولیات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ ہم جب کسی لاش کو زیر زمین دفناتے ہیں تو وہ زمین اور اس کے ارد گرد کا حصہ مزید زرخیز ہو جاتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ دفنانے پر خرچہ زیادہ نہیں آتا۔ ملک خدا تنگ نہیں ہے وسیع زمین موجود ہے لیکن لاش کو جلانے کی صورت میں ایک لاش کے لئے منوں لکڑی درکار ہوتی ہے۔ بھارت میں ہندو لاشوں کو جلاتے ہیں۔ جس سے ہماری حکومت کو ہر سال کروڑوں روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔ ماحولیات میں آلودگی پیدا ہوتی ہے، خرچہ زیادہ آتا ہے۔ مرنے والوں کی تعداد اور جلانے پر آنے والے اخراجات کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے۔

سوال: السلام علیکم! قرآن میں مذکور ہے کہ سورج اور دوسرے سیارے ایک مقررہ مدار میں گردش کرتے ہیں اور یوم حساب کے حوالے سے ایک

اور مقام پر قرآن پاک میں لکھا ہے کہ زمین سورج سے قدرے مرغولے کی سی شکل میں جا کر ٹکرائے گی۔ سوال یہ ہے کہ محوری اور دوری گردش کے مقرر ہوتے ہوئے ایسا کیونکر ممکن ہوگا؟

جواب: بھائی نے سوال یہ پوچھا ہے کہ زمین اور سورج باہم ٹکرا جائیں گے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قرآن میں ایسی آیات مبارکہ موجود ہیں جو یوم حساب کی بات کرتی ہیں۔ اور یوم حساب یا یوم آخرت کی نشانیاں بتاتی ہیں (مسلم سکالر ہارون یحیٰ کی کتاب ''آخرت کی نشانیاں'' راقم نے ترجمہ کی جو پچھلے سال شائع ہوئی اور اس کی طبع دوم کا اہتمام اب رومیل پبلیکیشنز نے کیا ہے۔ امید ہے اس کا دوسرا ایڈیشن جلد چھپ کر آ جائے گا۔ مترجم)

میں نے خود سورۃ القیٰمہ کی آیت 8 اور 9 میں اس کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق سورج اور چاند آپس میں ٹکرائیں گے اور کب ٹکرائیں گے؟ یوم حساب ہی وہ دن ہوگا۔ دراصل یہ آیات مبارکہ ہمیں یوم حساب کی نشانیاں بتا رہی ہیں۔ قرآن حکیم میں اس کے علاوہ بھی کئی علامات اور نشانیوں کی بابت بتا دیا گیا ہے مثلاً یہ کہ چاند تاریکی میں ڈوب جائے گا، ستارے ٹوٹ جائینگے، سمندر اپنے ساحلوں سے ابل پڑیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً یہ نشانیاں سچ ثابت ہوں گی یہ کلام اللہ میں دی گئی ہیں۔

یاد رکھیئے کہ قرآن یہ کہیں نہیں کہہ رہا کہ عام حالات میں یہ علامات ظہور پذیر ہوں گی۔

سوال: قرآن حکیم میں ''دو مشرقوں'' اور دو مغربوں کا ذکر ہے اللہ ان کا آقا و مالک ہے آپ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کو سائنسی طور پر کیسے لیں گے؟

جواب: سوال کیا گیا ہے کہ اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا مالک ہے۔ اور قرآن کی اس

آیت کی سائنسی تعبیر کیا ہے؟ یہ دراصل سورۃ الرحمٰن کی آیت: 17 ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ

''اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا آقا و مالک ہے'' یعنی وہ رب المشرقین اور رب المغربین ہے۔

عربی زبان کی قواعد کے مطابق صیغۂ جمع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ''دوہرا جمع'' کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جس میں اشیاء کو دو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جبکہ دوسری قسم میں ''صیغہ جمع'' کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے۔ یہاں رب المشرقین میں جمع کا دوہرا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اللہ دو مشرقوں کا مالک ہے اور دو مغربوں کا۔ سائنس کی روشنی میں میں اس آیت مبارکہ کا جائزہ پیش کرتا ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے مگر جدید سائنس کا مئوقف یہ ہے کہ صرف دو دن ایسے ہیں جب سورج عین مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اگر آپ باقی دنوں میں سورج کے نکتہ طلوع کا مشاہدہ کریں تو یہ عین مشرق کے صحیح رُخ سے نہیں بلکہ جگہ بدل کر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب آفتاب استوا کو قطع کرتا ہے اور دنیا بھر میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ باقی تمام دنوں میں سورج یا تو مشرق سے ذرا جنوب یا شمال کی سمت اپنا نکتہ طلوع بناتا ہے اسی طرح یہ گرمیوں کے عروج پر ایک ایسی جانب سے طلوع ہوتا ہے جو مشرق کے عین مرکز سے بعید ترین نقطے پر واقع ہے اور سردیوں میں اسی تناسب سے عین مشرق کے دوسری جانب کے بعید ترین نقطے سے نمودار ہوتا ہے۔

اسی طرح سورج عین مغرب میں صرف دو دن غروب ہوتا ہے اور یہ دو دن ہی توازن شب و روز والے ہوتے ہیں ورنہ اسی طرح یہ مغرب کے عین مرکز سے ذرا ہٹ کر ادھر یا ادھر غروب ہو جاتا ہے۔ یعنی یا تو قدرے شمال مغرب میں یا قدرے جنوب مغرب میں غروب ہوتا ہے۔

لہٰذا دو دن ایسے آتے ہیں جب یہ انتہائی شمال مغرب کے مقام پر یا انتہائی جنوب مغرب کے مقام پر ڈوبتا ہے۔

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ جب اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ وہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے تو وہ مشرق کے دو انتہائی جنوبی اور شمالی مقامات کی بات کرتا ہے اور مغرب کے بھی ایسے ہی دو انتہائی شمالی اور جنوبی مقامات کا حوالہ دیتا ہے۔ سورۃ المعارج کی آیت: 40 میں ارشاد باری تعالیٰ اس طرح ہوا ہے:

''سو نہیں، قسم کھاتا ہوں میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی، یقیناً ہم قادر ہیں۔'' (القرآن 40:70)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ ہی مشرق اور مغرب کے ان تمام نقطوں کا مالک ہے جو سورج کے طلوع وغروب کے مقامات بنتے ہیں۔ اس لئے وہی آقا و مالک مشرق کی دو انتہاؤں اور مغرب کی دو انتہاؤں کا مالک ہے اور ان تمام مقامات کا بھی خالق و مالک وہی ہے جو مشرق میں واقع ہیں اور ان مقامات کا بھی آقا و مالک وہی ہے جو مغرب کی دو انتہاؤں کے درمیان واقع ہیں۔

سوال: السلام علیکم! میرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں جو کہا گیا ہے کہ ''اللہ نے آسمانوں سے آہن یا لوہا بھیجا'' اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: (ڈاکٹر نائیک) سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ اللہ نے آسمانوں سے لوہا اتارا ہے کا مطلب کیا ہے۔ یہ قرآن پاک کی سورۃ الحدید میں آیا ہے کہ

''اور اتارا ہم نے لوہا جس میں ہے بڑا زور اور بہت سے فائدے ہیں۔ انسانوں کے لئے اور اس لئے تاکہ معلوم کرے اللہ کہ کون مدد

کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی اللہ کو بغیر دیکھے بلاشبہ اللہ ہے بڑی قوت والا اور زبردست۔'' (القرآن 25:57)

عربی زبان میں ''انزل'' کا مطلب ہے اتارنا، نیچے بھیجنا، ہم انزل کو دو مختلف زاویوں سے پرکھ سکتے ہیں۔

(الف) اللہ نے بھیجا (نیچے)

(ب) نازل کیا

یعنی اللہ نے لوہا بھیجا اور انسان پر اس کے فوائد جیسے ہتھیار، اوزار یا مشینیں وغیرہ بنانا نازل کیا۔

آج ہم اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ لوہا اس دور کی اہم ترین دھاتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی سے ہم فولاد حاصل کرتے ہیں۔ ہم فولاد اور آہن کو جنگی ہتھیار بنانے کے علاوہ پرامن مقاصد کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً تعمیر میں کچن وغیرہ میں۔ بغور جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ نے لوہے کو حرب وضرب اور کئی دوسرے فوائد سے لبریز کیا ہے۔

آئیے اب لفظ بہ لفظ مفہوم کی طرف آتے ہیں۔ یہ آیت مبارکہ جب آرم سٹرانگ کو سنائی گئی اور اس سے اس پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگے ''زیادہ عرصہ نہیں گزرا سائنسدانوں نے یہ جاننا شروع کیا ہے کہ مختلف عناصر کی تشکیل کیسے ہوئی۔ ان کے خیال میں لوہے کے ایک جوہر یا ایٹم کی تخلیق کے لئے جو توانائی درکار ہے وہ اپنی مقدار میں ہمارے پورے نظام شمسی کی توانائی سے کہیں زیادہ ہے جب شمار کیا گیا تو پتا چلا کہ آئرن کا ایک ایٹم بنانے کے لئے نظام شمسی کی چار گنا توانائی درکار ہے یعنی سورج چاند زمین اور دیگر سیاروں بلکہ پورے نظام شمسی کی توانائی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

جدید سائنس کے مطابق لوہا ایک غیر ارضی دھات ہے اور یہ سائنسی اعتراف قرآن پاک کی مذکورہ آیت کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتا ہے کہ لوہا آسمانوں سے زمین پر بھیجا گیا۔

سوال: چھٹی صدی قبل مسیح میں ایک ایسا فلسفی گزرا ہے جس کا کہنا یہ تھا کہ زمین اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہے اور تمام سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔قرآن بھی ایسی ہی حقیقت کا پرچار کرتا ہے۔کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محمد الرسول اللہ ﷺ نے یہ بات اس فلسفی سے لی۔آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اس سوال کے مطابق چھٹی صدی قبل مسیح میں کسی فلسفی نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سیارے زمین سمیت سورج کے گرد گھومتے ہیں اور ممکن ہے یہ باتیں محمد ﷺ نے اس فلسفی سے نقل کی ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ چھٹی صدی قبل مسیح کے فیثا غورثی فلسفیوں نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین اور دیگر سیارے اپنے محور پر سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔لیکن یہ جو دوسری بات ہے کہ محمد ﷺ نے یہ بات ان فلسفیوں سے نقل کی بالکل لغو اور بے تکی بات ہے۔ یہ غیر منطقی بات کرنے والے اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ فیثا غورثیوں نے اس نظریے کا بھی شدومد کے ساتھ پرچار کیا تھا کہ سورج اس کائنات کا مرکز ہے اور ساکن ہے۔ نہ تو سورج اپنے محور پر گردش کر رہا ہے اور نہ ہی کوئی اور گردش کر رہا ہے تو یہ کہنا کہ آنحضور ﷺ نے دو نکات نقل کئے کہ زمین اور دیگر سیارے محوری اور دوری گردش کرتے ہیں ایک بے معنی اور مضحکہ خیز بات ہے یہ کس قدر غیر منطقی بات ہے کہ آپ نے کچھ نکات نقل کئے کچھ کو چھوڑ دیا۔ مجھے اس بات کا خوب علم ہے کہ ماضی میں یونانی فلسفیوں نے متعدد خیالات ورآراء پیش کیں وہ دانا لوگ تھے۔اگر آپ اس دور کے فلسفیوں کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں تو آپ کو ان کے نظریات میں مستند اور غیر مستند دونوں طرح کے حوالے ملیں گے۔لوگ ان کے درست خیالات کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو مستند ہیں جبکہ ان کے غیر مستند اور غلط افکار کو چھوڑ دیتے ہیں وہ بیشک عظیم مفکر تھے لیکن ان کی تخیلاتی پیش گوئیوں اور قرآن

میں بڑا فرق ہے۔قرآن پاک سائنسی حوالے سے بیشمار مقامات پر جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ مکمل طور پر درست ہے۔کوئی بھی قرآن حکیم کی ایک آیت کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ قرآن کے درج ذیل چیلنج کا سامنا نہ کوئی فلسفی کر سکتا ہے نہ مفکر:

”کیا یہ لوگ ذرا بھی غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر ہوتا یہ غیر اللہ (اللہ کے سوا) کسی اور کی طرف سے تو یہ اس میں ضرور پاتے بہت زیادہ اختلاف۔“(القرآن 82:4)

قرآن حکیم بلا کسی شک وشبے کے اللہ کا کلام ہے اور اس میں کسی بشر نے آج تک زیر وزبر تک کی کمی یا اضافہ نہیں کیا۔

سوال: کیا آپ سائنسی یا منطقی حوالے سے ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کامل علیم وخبیر ہستی ہے اور ماضی حال مستقبل غرض ازل تا ابد کا علم رکھتا ہے قرآن حکیم سے قبل دوسرے صحیفے کیوں نازل فرمائے؟ اگر قرآن پاک ہی مکمل اور جامع پیغام ہدایت تھا اور تا ابد نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کافی تھا تو پہلے ہی کیوں نازل نہ کر دیا گیا؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ اللہ کی ذات علیم نے قرآن کو پہلے نازل کیوں نہ کیا۔اس آسمانی کتاب سے قبل دوسرے صحیفے کیوں اتارے گئے اور بعدازاں قرآن نازل ہوا۔ یہ تو میرے بھائی ایسے ہی ہے جیسے آپ مجھ سے کہیں کہ میں نے پہلے ہی علم طب کی تعلیم کیوں نہ حاصل کر لی۔ پانچویں، آٹھویں، دسویں جماعت میں کیوں رہا مجھے سیدھا کالج میں کیوں نہ بٹھا دیا گیا۔اگر آپ غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ایک مقام تک پہنچنے کے لئے پہلے کچھ مراحل طے کرنے ضروری ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کے نزول سے قبل جتنے صحیفے اترے وہ کسی مخصوص قوم اور مخصوص وقت کے لئے اتارے گئے تھے۔قرآن پوری نوع انسانی کے لئے نازل ہوااور اس کا پیام ابدی پیام ہے۔ پہلے اتارے گئے صحیفے اپنے اپنے زمانوں اور قوموں کے لئے ضروری تھے۔ مرحلہ وار پیغامات کا سلسلہ اللہ کی مرضی کے مطابق تھا۔ خدائے علیم کی ذات ہی جانتی تھی کہ حتمی، آخری اور مکمل ہدایت کا نزول کب کرنا ہے۔اس لئے نہیں کہ اللہ قرآن حکیم کو پہلے نازل کرنے سے نعوذ باللہ عاجز تھا۔ایک معلم بہتر جانتا ہے کہ طالبعلم کو مرحلے وار کتنا اور کیا پڑھانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کے اس درجے پر قرآن پاک نازل کیا جہاں اس خالق کائنات نے یہ سمجھا کہ اب انسانی شعور اس امانت عظمیٰ کو وصول کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ اللہ کو علم ہے کہ پہلے وقتوں کے انسان کے لئے نزول قرآن قبل از وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم صحائف میں سے ایک بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں۔مگر قرآن پاک مکمل حالت میں محفوظ ہے اور تحریف سے پاک ہے۔ یہی اللہ کا آخری پیغام ہے جو اللہ کے آخری نبی ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔قرآن پاک کی حقانیت 1400 برس قبل بھی مسلمہ تھی اور آج بھی اسے اللہ کا کلام تسلیم کیا جاتا ہے اور رہتی دنیا تک یہ اللہ کا سچا کلام رہے گا۔

سوال: قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے اس زمین کو ایک قالین کی مانند بنایا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں زمین چپٹی ہے جو جدید سائنس سے متصادم ہے۔آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اس سوال پر لوگوں میں حیرت کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی ہے۔سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ زمین ایک قالین کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔اس صورت میں تو وہ چپٹی ثابت نہیں ہوتی۔ دراصل جن آیات مبارکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سورۃ نوح کی آیات 19-20 ہیں۔

''یہ اللہ ہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے زمین کو ہموار تاکہ تم چلو اس کے اندر کھلے راستوں میں۔'' (القرآن 71:19-20)

میں اپنی گفتگو کے دوران پہلے یہ عرض کر چکا ہوں کہ آج ہمیں علم جغرافیہ نے اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں ہم بستے ہیں ایک سے لے کر 10 میل تک گہرا ہے۔اور زمین کے پورے قطر سے ایک فیصد کم حصے پر مشتمل ہے۔ زمین کا قطر 3750 میل ہے۔اس کا بالائی حصہ ایک مضبوط خول ہے۔ زیریں سطحیں نہایت گرم اور مائع ہیں جو وجود حیات کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔قرآن حکیم نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ زمین چپٹی یا سپاٹ ہے۔قرآن پاک تو تمثیلی انداز میں اصل مدعا یوں بیان فرما رہا ہے کہ زمین کو ایک قالین کی مانند پھیلایا گیا ہے۔لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قالین کو شاید چپٹی اور ہموار سطح پر ہی بچھایا جا سکتا ہے۔ یہ غلط ہے۔قالین کو تو بیضوی سطح کے گرد بھی بچھایا جا سکتا ہے۔ ذرا چشم تصور کو وا کیجئے اور زمین کو ایک گلوب کی شکل میں فرض کر لیں۔اس کا قطر بہت بڑا ہے دس فٹ فرض کر لیتے ہیں۔آپ اس کے گرد بھی قالین کو اچھی طرح بچھا سکتے ہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے لیکن قرآن پاک سائنس کی روشنی میں یہ بھی تو کہتا ہے کہ زمین کے گرد چلنے پھرنے کے لئے وسیع راستے بنا دیئے گئے ہیں کیونکہ ہم قالین اگر وہاں بچھاتے ہیں جہاں چلنے پھرنے میں زیادہ راحت نہ ملتی ہو جدید سائنس کا کہنا ہے کہ اگر زمین کی بالائی تہ (قشر ارض) بیضوی شکل میں زمین کے گرد نہ بچھائی گئی ہوتی تو ہم زندہ نہ رہ سکتے تھے۔اس لئے کہ زیریں سطحیں زمین کی نہایت گرم اور مائع دار ہیں۔لہٰذا جب قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے تو اس سے مراد زمین کی بالائی سطح ہوتی ہے جو قالین کی مانند بچھائی گئی ہے تاکہ زمین کے وسیع راستوں پر چلنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔قرآن میں دیگر مقامات پر بھی زمین کے وسیع ہونے کا ذکر آیا ہے۔

''ذرا غور کرو کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو بچھونا؟''
(القرآن 6:30)

اب سورۃ العنکبوت کی یہ آیت دیکھئے:

''اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بیشک میری زمین بہت وسیع ہے لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو تم۔'' (القرآن 56:29)

اب ہم یوم حساب یہ عذر نہ تراش سکیں گے کہ چونکہ ہم جہاں قیام پذیر تھے وہاں جگہ ایسی تنگ تھی کہ اللہ کی عبادت نہیں کی جاسکتی تھی اس لیے ہم نے بُرے اعمال کا ارتکاب کیا۔ اللہ ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کراتا ہے اس نے زمین کو ہمارے لئے پھیلا دیا۔ وسیع کر دیا تا کہ ہم اس خدائے واحد کی عبادت کرسکیں۔ قرآن پاک کی کسی آیت مبارکہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ زمین چپٹی ہے سورۃ لقمان کی آیت: 29 میں ارشاد ہوا:

''کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے سورج چاند کو اسی نے فرمانبردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔'' (القرآن 29:31)

آیئے اب سورۃ الزمر کی پانچویں آیت پر غور کرتے ہیں:

''نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔ وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے۔ یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے۔'' (القرآن 5:39)

صاف ظاہر ہے کہ زمین بیضوی ساخت کی ہے ورنہ رات کا آہستہ آہستہ دن میں اور دن کا بتدریج رات میں ڈھل جانا کیسے ممکن تھا۔ اب آتے ہیں سورۃ النزعٰت کی تیسویں آیت مبارکہ کی طرف ارشاد ہوتا ہے:

''اور بعد میں ہم نے زمین کو بیضوی (انڈے کی شکل) بنایا۔''
(القرآن 30:79)

''دحھا'' کا مطلب ہے شترمرغ کا انڈہ اور زمین کی شکل شترمرغ کے انڈے جیسی ہے۔

سوال: السلام علیکم! قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ماں کے پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا مگر سائنس کا دعویٰ ہے کہ اس کا پتا چل سکتا ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمایئے۔

جواب: بھائی کا سوال یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں لڑکی ہے یا لڑکا جبکہ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ الٹراسونوگرافی کے ذریعے قبل از پیدائش معلوم کیا جا سکتا ہے کہ رحم مادر میں بچی ہے یا بچہ۔ میرے بھائی نے قرآن پاک کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سورۃ لقمان کی 34 ویں آیت ہے:

''بیشک اللہ ہی ہے جس کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی برساتا ہے بارش اور وہی جانتا ہے کہ کیا ہے رحموں میں اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کیا کرے گا وہ کل اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ ہے ہر بات جاننے والا اور پوری طرح باخبر۔''
(القرآن 34:31)

یہاں قرآن صاف صاف بتا رہا ہے کہ رحم مادر میں بچہ ہے یا بچی۔ اس کا مکمل علم صرف اللہ کو ہے قرآن کے اردو تراجم میں لفظ جنس استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن میں لفظ جنس نہیں آیا۔ مذکورہ آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو یہ علم نہیں کہ شکم مادر میں بچے کی نمو کیسے ہو رہی ہے یعنی جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ اچھا ہوگا یا نہیں۔ وہ معاشرے میں کیا کردار ادا کرے گا۔ ڈاکٹر بنے گا یا انجینئر، وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ سائنسدان اپنے علم کی مدد سے جتنی کوشش چاہے کر لے درجہ بالا باتوں کا پتا نہیں چلا سکے گا۔ قرآن میں اللہ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ صرف اللہ کو رحم مادر میں موجود بچے کی جنس کا علم ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہوا ہے کہ متوقع بچے کی طبیعت، میلانات اور رجحانات کے بارے میں اور یہ کہ وہ کیا بنے گا، کیا کرے گا یہ سب صرف اللہ جانتا ہے۔

سوال: ہم نے فلکیات پر تو گفتگو سن لی۔ اب ہمیں علم نجوم کے بارے میں بتائیے۔ ستاروں کے محل وقوع سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نیز کیا سیاروں کی نقل و حرکت انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہندوؤں میں تو جنم پتری اور دست شناسی پر پختہ یقین کیا جاتا ہے اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے قرآن میں اس موضوع پر کیا آیا ہے؟

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ قرآن علم فلکیات پر تو بات کرتا ہے۔ اس میں علم نجوم کے بارے میں کیا آیا ہے۔ جیسے ستاروں کا مشاہدہ، جنم پتری اور قسمت کا حال جاننا وغیرہ۔ قرآن نے کئی مقامات پر اس کی واضح طور پر نفی کی ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت: 90 میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اے ایمان والو! بلا شبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب)

گندے شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

(القرآن 5:90)

قرآن کا مؤقف یہ ہے کہ قسمت کا حال بتانے یا جاننے کے چکر میں ہرگز نہ پڑو۔ قرآن ایسے کاموں سے دُور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں مستقبل کا حال بتا کر بھاری فیس وصول کی جا رہی ہے۔

آپ کمپیوٹر میں ایک ایسا سافٹ ویئر ڈالیں جس میں آپ نے اپنی تاریخ پیدائش ڈالیں گے تو پورا دفتر کھل جائے گا۔ ایک پروفیسر صاحب نے ''قسمت بینی'' پر تحقیق کی۔ انہوں نے 100 طلبہ کو سات دن کی تدریس کے بعد کہا کہ اب وہ تمام طلبہ کی طبیعت اور ان کے مزاج سے آشنا ہو گئے ہیں۔ اب وہ ہر طالب علم کو ایک پرچی دیں گے جس پر ان کی طبیعت اور میلانات کے بارے میں لکھا ہوگا۔ طلبہ اپنی اپنی پرچی کھول کر پڑھیں گے اور اپنی رائے کا اظہار کریں گے 90 فیصد طلبہ کا کہنا تھا کہ پروفیسر صاحب نے جو کچھ لکھا تھا وہ 100% درست تھا۔ بقیہ دس فیصد طلبہ کا کہنا تھا کہ پروفیسر صاحب نے 90% صحیح کہا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ پروفیسر صاحب نے ہر پرچی پر ایک جیسی باتیں لکھی تھیں۔

میں اگر آپ کو آنے والے چھ ماہ میں جو آپ کے ساتھ پیش آنے والا ہے اس بارے میں بتاؤں تو جہاں بہت سی باتیں غلط ہوں گی کچھ تو درست نکلیں گی۔ یہ کوئی پیشگوئی نہ ہوئی لوگوں کے دل خوش کرنے کا کام ہوا۔ قرآن ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے وہ تو آپ کو ان نجومیوں، دست شناسوں اور قسمت کا حال بتانے والوں سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ لوگ فائدے سے زیادہ نقصان دیتے ہیں۔

سوال: آج کے انسان کو ایڈز سے بہت بڑا خطرہ لاحق ہے اس سے چھٹکارا پانے اور اس مرض سے نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا کیا قرآن پاک ایڈز کے مرض، اس کے اسباب اور علاج کے بارے میں کچھ بتاتا ہے؟

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ کیا دنیا ایڈز جیسے مہلک مرض کے سامنے بے بس ہے؟ کیا قرآن کی روشنی میں اس کا کوئی جواب دیا جا سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ ایڈز کے موضوع پر 1994ء میں پہلی بین الاقوامی کانفرنس ممبئی (بھارت) میں منعقد ہوئی تھی۔ عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو۔ ایچ۔ او) سے ڈاکٹر مائیکل تشریف لائے تھے۔ اس کانفرنس کی صدارت انہوں نے کی تھی۔ ڈاکٹر مائیکل نے بتایا تھا کہ دنیا میں اس وقت ایڈز کے ایک کروڑ دس لاکھ مریض موجود ہیں۔ بھارت میں ان مریضوں کی تعداد 16 لاکھ ہے۔ 2000ء تک دنیا میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد چار کروڑ ہو جائے گی۔ ان میں ایک کروڑ دس لاکھ مریض تو صرف بھارت میں ہوں گے۔ (اب تو 2007ء ختم ہونے والا ہے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایڈز کے کل مریضوں کی تعداد دنیا میں اس وقت کہاں پہنچ چکی ہو گی۔ مترجم) بھارت میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد دنیا بھر کی کل تعداد کا چوتھائی حصہ ہو گی۔ ڈاکٹر مائیکل نے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ آنے والے پانچ برسوں میں ایڈز کے مرض کا علاج دریافت ہونے کے امکانات نظر نہیں آ رہے ہیں۔ لہٰذا سر دست تو اس موذی مرض کا بہترین علاج پرہیز ہے۔ ایڈز کی جو وجوہ بتائی گئی تھیں ان میں ہم جنس پرستی سر فہرست تھی۔ دوسری بڑی وجہ ایک سے زیادہ لوگوں سے جنسی اختلاط ہے جو غیر قانونی ہے اور غیر اخلاقی اور خلاف مذہب بھی۔ استعمال شدہ سرنج اور بلیڈ بھی اس کا ایک سبب بنتے ہیں۔ چوتھی بڑی وجہ اس کی شراب نوشی ہے۔ ان میں بیشتر نکات کا جائزہ قرآن پاک کی

روشنی میں لیا جائے تو حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیات 81:80 میں مذکور ہے کہ

"جب لوط نے اپنی قوم سے کہا کیا تم (ایسے بے حیا ہو گئے اور کرتے ہو) وہ فحش کام کہ نہیں کیا تم سے پہلے ایسا کام کسی نے دنیا میں۔ بیشک آتے ہو تم مردوں کے پاس شہوت کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر۔ درحقیقت تم ایسے لوگ ہو جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔"
(القرآن 7:80-81)

حضرت لوط علیہ السلام فرماتے ہیں: "اے میری قوم کے لوگو! تم نے ہم جنسیت کے کرتوت اختیار کر لئے ہیں۔" سلام اور گوموراہ تو ایسے شہر تھے جن پر اللہ نے آگ اور پتھر برسا کر انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ہم جنسیت اسلام میں مکمل طور پر ممنوع ہے۔ مگر دنیائے جدید جسے مہذب اور ترقی یافتہ ہونے کا دعویٰ ہے اس نے ہم جنسوں کو قانونی تحفظ دے رکھا ہے۔ میں جب کینیڈا میں تھا تو مجھے ایک روزنامے کے صفحہ اوّل پر دو مردوں کی تصویر نظر آئی۔ ایک دوسرے کو چوم رہے تھے اور دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کر رکھی تھی۔ اس مہذب دنیا میں حقوق ہم جنسیت کے لئے مظاہرے کئے جاتے ہیں۔ ایڈز کے پھیلنے کا دوسرا بڑا سبب بدکاری ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 32: میں ارشاد ہوا ہے:

"اور نہ قریب پھٹکو زنا کے، بلاشبہ وہ ہے بڑی بے حیائی اور بہت ہی بُری راہ۔" (القرآن 17:32)

بدکاری ایک ایسی برائی ہے جو کئی دوسری برائیوں کا راستہ کھول دیتی ہے اس

کے قریب پھٹکنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکا میں ایک عام فرد شادی سے قبل کم از کم آٹھ دیگر افراد سے جنسی روابط اختیار کئے رکھتا ہے۔ اسے بھی امریکا میں انسانی حقوق کے نام پر قانونی شکل دے دی گئی ہے۔ ایڈز کے پھیلنے کی بڑی وجہ عورتوں کی جسم فروشی ہے۔ ہم طبی شعبے کے لوگ ایسی عورتوں کو (CSW) کمرشل سیکس ورکرز کہہ کر پکارتے ہیں۔ گویا ہم ایسی عورتوں کے لئے مناسب لفظ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ مذکورہ کانفرنس میں شریک ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ ممبئی کی جسم فرش عورتوں میں سے 60% ایڈز کے موذی مرض کا شکار ہیں۔ یہ تعداد صدی کے اختتام تک 90% ہو جائے گی۔ اسلام میں جسم فروشی مکمل حرام ہے۔ ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ قحبہ خانوں اور جسم فروشی کے اڈوں پر جانے والوں کی اوسط عمر 15 تا 24 برس ہے۔ آنحضور ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ جو صحیح بخاری میں کتاب نکاح کے تیسرے باب میں آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اے نوجوانو! تم میں سے جس کسی کو شادی کے وسائل میسر ہوں وہ شادی کرے کہ شادی تمہاری آنکھوں میں حیا لائے گی۔'' جلد شادی کرنے کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے کیونکہ اس طرح معاشرہ بدکاری جیسی لعنت سے پاک رہ سکتا ہے۔ اس سے ناجائز تعلقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے ہم جنسیت سے نجات مل جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ نے شادی کو نصف دین قرار دیا تھا۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے ایڈز کو فروغ ملتا ہے۔ شراب نوشی کے عادی افراد قحبہ خانوں کا رخ زیادہ کرتے ہیں۔

دورِ حاضر کے کچھ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ شرابیوں کو شرابی یا نشہ مست نہ کہا جائے وہ تو لاچار مریض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان مریضوں سے مریضوں جیسا سلوک کیا جائے۔ ہم نئے طبی تناظر میں شرابیوں کو اسی طرح مریض تصور کریں جیسے ٹی بی یا کینسر

کے مریض ہوتے ہیں۔ ان خیالات کے حامل ڈاکٹروں سے میری گزارش یہ ہے کہ الکحل کا استعمال ایک بیماری ہے تو یہ واحد مرض ہے جو بہت اہم ہے مگر اس کی تشہیر اخبارات و رسائل میں کی جاتی ہے۔ ریڈیو ٹی وی پر شراب کے اشتہار آتے ہیں۔ بھارتی حکومت نے قانون پاس کیا ہے کہ الکحل جیسی ضرر رساں شے کی تشہیر نہ کی جائے شراب ساز کمپنیوں نے اشتہار کا نیا راستہ نکال لیا۔ ایک گلاس کا اشتہار دے دیا اب ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ یہ گلاس کا اشتہار نہیں ہے یہ شراب کی دعوت ہے۔ اس طرح حکومت کے قانون کا بھرم بھی رہ جاتا ہے اور شراب ساز کمپنی کا کام بھی ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی وہ واحد بیماری ہے جس کے لائسنس جاری ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم سے نہیں پھیلتی۔ یہ وہ بیماری ہے جس کے باعث سڑکوں پر ایسے حادثات ہوتے ہیں جن میں بیشمار جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ یہ بیماری پلک جھپکنے کی دیر میں پورے پورے خاندانوں کو اجاڑ دیتی ہے۔ دیکھئے قرآن اسے کیا کہتا ہے:

> ''غلیظ ترین شیطانی کام ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے تا کہ بھلا ہو۔''

سوال: بہت سے لوگ روز قیامت پر یقین نہیں رکھتے جہاں لوگوں کو اچھے اور برے کاموں کی جزا اور سزا کے طور پر جنت اور جہنم ملے گی۔ سائنس اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ از راہِ کرم اس بارے میں ہمیں بتایئے۔

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ یوم حساب پر یقین نہیں رکھتے نہ انہیں یہ یقین ہے کہ دنیا کبھی فنا بھی ہوگی۔ ایسے لوگوں کو سائنسی اور منطقی طور پر کیسے یقین دلایا جا سکتا ہے کہ قیامت آئے گی اور ہم اس کے بعد ایک نئی زندگی جئیں گے۔ جیسا کہ میں پہلے

عرض کر چکا ہوں کہ قرآن پاک کا 80% حصہ سائنس کے حوالے سے 100% صحیح ثابت ہوا۔ صرف بقیہ 20% کو سائنس فی الحال درست نہیں مانتی۔ میرے خیال میں یہ 20% حصہ بھی صحیح ثابت ہوگا منکرین آخرت کو ایک اور طرح سے بھی قائل کیا جا سکتا ہے۔ ان سے آپ سوال کیجئے کہ لُوٹنا اچھا فعل ہے یا بُرا؟ آپ جو یہ سوال پوچھ رہے ہیں آپ ہی کہئے؟ تو آپ کہیں گے برا ہے۔ کسی کی آبرو سے کھیلنا اچھا فعل ہے یا برا؟ تو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ برا ہے۔

میرے بھائی! ان منکرینِ آخرت سے میرا سیدھا سا سوال ہے کہ کیا آپ منکرینِ قیامت مجھے لوٹ مار کے فعل کو فعل بد ہونے کا صرف ایک منطقی جواز دے سکتے ہیں؟ چلیے آپ بتائیے کہ کیا آپ عقلی دلیل دے سکتے ہیں کہ لوٹ مار کیوں برا کام ہے؟

آپ لوگوں سے جب یہ سوال کریں گے تو کچھ اس طرح کے جواب ملیں گے کہ کسی کو لوٹنے سے ہم اس کے جذبات مجروح کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے فرض کیجئے میں ایک سمگلر ہوں۔ مجھے ثابت کر کے بتائیے کہ لوٹ مار کیوں بری شے ہے؟ ایک سمگلر کی حیثیت سے میرا اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کسی کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا۔ میں کسی کی جیب سے ہزار روپیہ نکال کر مزے سے کسی اچھے ہوٹل میں پرتکلف کھانا کھا سکتا ہوں۔ فلم دیکھ سکتا ہوں۔ میرے لئے تو یہ سب کچھ اچھا ہے اس میں برائی کہاں سے آ گئی؟

کچھ لوگ آپ کو کہیں گے اگر آپ کسی کو لوٹ لیں گے تو ایک نہ ایک دن کوئی آپ کو بھی ضرور لوٹ لے گا۔ میں کہتا ہوں ایسا اس لئے نہیں ہوگا کہ میں اونچے درجے کا بدمعاش ہوں مافیا کا سرغنہ ہوں کوئی مجھے لوٹنے کی جرأت کیسے کرے گا۔ میرے مسلح باڈی گارڈ میرے ساتھ رہتے ہیں اور میری حفاظت کرتے ہیں۔

بتائیے! صرف ایک منطقی جواب دیجئے۔ اگر آپ ایک دلیل بھی دے دیں گے تو

میں فوراً مان جاؤں گا۔ لوٹ مار چھوڑ دوں گا۔ میں تو منطقی دلیل کو مانتا ہوں۔ سائنس پر ایمان رکھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ کہیں یہ کام انسانیت کے خلاف ہے تو میں پوچھتا ہوں یہ انسانیت کس بلا کا نام ہے کس کتاب میں یہ نام آیا ہے۔ میں انسانی اقدار کو کیوں ماننے لگا؟ میں تو اپنی زندگی بڑے مزے میں گزار رہا ہوں۔ جب میں لاکھ دو لاکھ لوٹتا ہوں تو یہ میرے لئے کس قدر سودمند ہوتا ہے۔ میں گاڑی خرید سکتا ہوں۔ بیرون ملک جا سکتا ہوں، عیاشی کر سکتا ہوں۔ کوئی یہ کہے کہ پولیس مجھے پکڑ لے گی تو میرا جواب یہ ہے کہ پولیس میری جیب میں ہے، بڑے بڑے وزراء میری جیب میں ہیں۔

دنیا بھر کے بڑے بڑے سمگلر پولیس کو جیب میں لئے پھرتے ہیں۔ پولیس ان کی بھتے خوار ہوتی ہے ان کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ دنیا بھر کے بیشمار لوگوں سے یہی سوال پوچھا گیا کسی ایک نے بھی اس کا منطقی جواب نہیں دیا۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ مافیا کے سرغنے بن کر سامنے آئیں اور میں آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ لوٹ مار کیوں ایک برا فعل ہے کسی کی آبرو لوٹنا کیوں برا ہے۔ اب آپ کہیں گے پہلے ڈاکٹرز نے سمگلر بن کر ہمیں جل دیا اب ہم بھی انہیں ایسا ہی جل دیں گے۔ میں آپ سے جواباً کہوں گا کہ لوٹ مار کیوں بری ہے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ کسی مافیا کے سرغنہ ہیں خود محفوظ ہیں۔ آپ کا خاندان محفوظ ہے، سب درست مگر جب آپ کسی کو لوٹتے ہیں تو آپ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ آپ کو آخرت میں اس کی سزا ملے گی۔ اس دنیا میں پولیس آپ کی جیب میں ہے وزراء آپ کے اشاروں پر ناچتے ہیں مگر اگلی دنیا میں یعنی آخرت میں آپ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہوں گے آپ کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ آپ کا محاسبہ ہوگا پھر؟

میں آج آپ سب سے مخاطب ہوں کہ آپ انسانی حقوق انسانی حقوق کی رٹ لگا

رہے ہیں اور میں ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یوم حساب قائم ہوگا۔ اس روز میزانوں میں آپ کے اعمال کو پرکھا جائے گا اور آپ ایک ابدی زندگی سے ہمکنار ہوں گے میں آپ کو بتاؤں گا کہ اگر آپ منشیات کے دھندے کے سرکردہ ہیں اور کئی قتل کر چکے ہیں تو ہوسکتا ہے اس دنیا میں آپ کا محاسبہ نہ ہو، آپ کسی کی گرفت میں نہ آئیں مگر آپ سے آخرت میں ضرور حساب لیا جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک سمگلر نے سینکڑوں افراد کو قتل کیا ہے۔ اسے اس کی سزا کون دے پائے گا۔ ایسے ہی کئی اور افراد تھے قتل وغارت اور لوٹ مار میں ملوث رہے، عیش وعشرت کی زندگی بسر کی اور بڑے آرام سے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کا کیا خیال ہے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ نہیں ملنا چاہیئے؟

ہٹلر سے کون واقف نہیں۔ اس نے 60 لاکھ یہودیوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ میں چھ ہزار یا چھ لاکھ کی بات نہیں کر رہا میں 6 ملین انسانوں کے قتل کی بات کر رہا ہوں۔ آپ ہی بتایئے اگر ہٹلر آپ کے ہاتھ آ جاتا تو آپ کا انسانی حقوق اسے کیا سزا دے سکتا تھا؟ بدترین سزا بھی یہی ہوتی کہ آپ اسے جلا کر راکھ کر دیتے مگر یہ تو ایک قتل کی سزا ہوئی ناں نہ کہ 60 لاکھ کی۔ بقیہ ایک کم 6 ملین کی سزا کون بھگتے گا؟

میری دلیل کے مطابق اللہ ہٹلر کو جہنم کی آگ میں جلائے گا اور اس کا جلنا کیسا ہوگا۔ اس کی مثال سورۃ النساء کی آیت: 56 میں ملتی ہے، ملاحظہ کیجئے:

> ’’جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔‘‘ (القرآن 56:4)

اب اگر اللہ چاہے تو وہ ہٹلر کو 60 لاکھ بار جلا سکتا ہے بلکہ 120 لاکھ بار جلا کر آگ کے عذاب سے گزار سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آخرت کا تصور نہ ہو تو اس دنیا میں اخلاقیات نام کی شے تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے۔ کسی کی عصمت تار تار کرنا اس لئے فعل بد ہے کہ یوم قیامت اس کا نتیجہ سامنے آئے گا اور انصاف ہو کر رہے گا۔

سوال: کیا آپ مصنوعی ذرائع سے قرار حمل اور ٹیسٹ ٹیوب بچوں کے بارے میں ہمیں اپنے خیالات سے آگاہ کر سکتے ہیں؟

جواب: یقیناً آگاہ کرنا چاہوں گا۔ آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اسلام میں مصنوعی ذریعے سے قرار حمل جائز ہے؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ ایسے قرار حمل کی دو قسمیں ہیں:

1۔ یکساں نوعیت کے ذریعے کا تولیدی عمل

2۔ مختلف النوع ذرائع سے حاصل شدہ مواد کی صورت

یکساں نوعیت کے ذریعے سے مراد یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کے تولیدی جرثومے کی باہم منتقلی کے ذریعے حمل قرار پانا۔ فرض کیجئے شوہر یا بیوی کسی ایک کو حساس مرض لاحق ہے ایسی صورت میں اگر وہ میاں بیوی اپنے تولیدی جرثومے مصنوعی ذرائع سے باہمی طور پر منتقل کرتے ہیں اور ان کے بچہ پیدا ہونے کے امکانات قوی ہو جاتے ہیں تو یہ اسلام کی رو سے بالکل جائز ہے لیکن اس کے برعکس مختلف النوع تولیدی جرثوموں کی منتقلی جو آپ ایک سپرم بنک سے حاصل کر کے بچے کی پیدائش ممکن بناتے ہیں تو یہ بالکل حرام ہے۔ آپ کسی سپرم بنک سے تولیدی جرثومے لے کر اپنی بیوی کو حاملہ بنا کر اپنے خاندان میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ یہ حرام ہوگا جس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح ٹیسٹ ٹیوب

بچے کے معاملے میں اگر استعمال میں آنے والے جرثومے خاوند اور بیوی کے ہیں تو اسلام میں ٹیسٹ ٹیوب بچے کی اجازت ہے لیکن اگر یہ جرثومے میاں بیوی کے علاوہ کسی اور کے استعمال ہوئے تو اسلام میں یہ بالکل ممنوع ہے۔ اسے بدکاری کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اسلام دین حق ہے جو رشتوں کے تقدس کا بڑا خیال رکھتا ہے اور ان کی پامالی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

ختم شد